تدبّرِ قرآن

۸

الانفال

۱۔ سورہ کا عمود

سورۂ انفال دوسرے گروپ کی تیسری سورہ ہے۔ یہ مدنی ہے۔ اس میں مسلمانوں کو تقویٰ، باہمی اخوت و ہمدردی اور اللہ و رسول کی اطاعت کی اساس پر منظم اور جہاد کے لیے تیار ہونے کی دعوت دی گئی ہے تاکہ وہ اس ملت ابراہیمؑ اور مرکز ملت ابراہیمؑ۔ بیت اللہ۔ کی امانت و تولیت کے اہل ہو سکیں جو اب قریش کی جگہ ان کی تحویل میں دی جانے والی ہے۔

پچھلی دونوں سورتوں۔ انعام اور اعراف۔ میں آپ نے دیکھا کہ قریش کو عقائد، اعمال اور اخلاق ہر پہلو سے اس امانت کے لیے نا اہل ثابت کر دیا ہے۔ اب اس سورہ میں مسلمانوں کی تطہیر و تنظیم، ان کی اصلاح اور تزکیہ کی طرف توجہ فرمائی ہے۔ اس کا آغاز اس طرح ہوا ہے کہ غزوۂ بدر کے دوران میں بعض کمزور مسلمانوں کی طرف سے جو کمزوریاں، اللہ و رسول کی اطاعت اور ایمان و توکل کے منافی، صادر ہوئی تھیں، ان پر پہلے گرفت فرمائی ہے کہ مسلمان اپنے آپ کو ان کمزوریوں سے پاک کریں۔ پھر ان غیبی تائیدات کی طرف اشارہ فرمایا جو غزوۂ بدر کے دوران میں ظاہر ہوئیں تاکہ مسلمانوں کا اعتماد اللہ پر مضبوط ہو اور جو لوگ ابھی پوری طرح یکسو نہیں ہوئے ہیں وہ یکسو ہو کر آگے کے مراحل کے تقاضے پورے کرنے کے اہل ہو سکیں۔ پھر مسلمانوں کو اللہ کی راہ میں جہاد پر ابھارا ہے اور یہ وعدہ فرمایا ہے کہ اگر انھوں نے کمزوری نہ دکھائی تو جلد وہ وقت آنے والا ہے کہ حریف کی سازشوں کے سارے تار و پود بکھر جائیں گے۔ بیچ بیچ میں قریش کو بھی تنبیہ فرمائی ہے کہ بدر کے واقعہ میں تمھارے لیے بڑا سبق ہے، تمھارے لیے اب بہتر یہی ہے کہ اس سے فائدہ اٹھاؤ ورنہ یاد رکھو کہ اگر تم نے مزید کوئی شرارت کی تو پھر منہ کی کھاؤ گے، اب تک تمھارے ساتھ جو رعایت ہوئی ہے اس کی وجہ یہ تھی کہ رسولؐ تمھارے اندر موجود تھا۔ سنت الٰہی یہ ہے کہ جب تک رسولؐ قوم کے اندر موجود رہتا ہے اس وقت تک قوم پر عذاب نہیں آتا لیکن اب جب کہ رسول تمھارے اندر سے ہجرت کر چکا ہے، تمھاری امان اٹھ چکی ہے اور تم ہر وقت عذاب الٰہی کی زد میں ہو۔ تمھارا یہ غرّہ بالکل بے جا ہے کہ تم بیت اللہ کے متولی اور مجاور ہو، بیت اللہ کے متولی ہونے کے اہل تم نہیں ہو،

تم نے ابراہیمؑ کے بنائے ہوئے اس گھر کا مقصد بالکل برباد کر کے رکھ دیا ملکہ اس کی حرمت کو بٹہ لگایا، تم جس نماز اور عبادت کے مدعی ہو یہ نماز عبادت نہیں بلکہ محض مذاق ہے، تمھارے لیے سلامتی کی راہ یہ ہے کہ تم توبہ اور اصلاح کی روش اختیار کرو ورنہ یاد رکھو کہ اب اس حرم کی سرزمین پر نہ اہل ایمان پر عرصۂ حیات تنگ کرنے کا کوئی موقع باقی چھوڑا جائے گا اور نہ اللہ کے دین کے سوا یہاں کوئی اور دین باقی رہنے دیا جائے گا۔

آگے بدر کے واقعات ہی کی روشنی میں مسلمانوں کی حوصلہ افزائی اور کفار کو تنبیہ کرتے ہوئے بات ان اعتراضات کے جواب تک پہنچ گئی ہے جو قریش نے بدر میں شکست کھانے کے بعد لوگوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بدگمان کرنے کے لیے اٹھائے۔ بدر سے پہلے تک تو وہ مسلمانوں کی کمزوری و مجبوری کو اسلام کے خلاف دلیل کے طور پر پیش کرتے تھے لیکن بدر میں انہی کمزور مسلمانوں کے ہاتھوں جب پٹ گئے تو یہ کہنا شروع کر دیا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پیغمبر کس طرح ہو سکتے ہیں، بھلا پیغمبر کا کہیں یہ کام ہوتا ہے کہ اپنی ہی قوم کو باہم لڑا دے۔ اپنے ہی بھائیوں کو قتل کرائے، پھر ان کو قید کرے، ان سے فدیہ وصول کرے اور ان کا مال و اسباب غنیمت بنا کر کھائے اور کھلائے؟ اس اعتراض سے بھی کمزور قسم کے لوگوں کے دلوں میں شبہات پیدا ہو سکتے تھے اس وجہ سے قرآن نے ان کو بھی صاف کیا اور آخر میں انصار اور مہاجرین کو باہمی اخوت کی تعلیم و تلقین فرمائی کہ دونوں مل کر کفر کے مقابلہ میں بنیان مرصوص بن کر کھڑے ہوں۔

اگرچہ سورہ کا نظام سمجھنے کے لیے یہ اجمالی نظر بھی کافی ہے لیکن ہم مزید وضاحت کے لیے سورہ کے مطالب کا تجزیہ بھی کیے دیتے ہیں۔

ب۔ سورہ کے مطالب کا تجزیہ

(۱-۴) مال غنیمت کی تقسیم سے متعلق بعض کمزور قسم کے مسلمانوں کی طرف سے معترضانہ نوعیت کے سوال کا حوالہ اور اس کا اجمالی جواب۔ اس اعتراض کو پیش نظر رکھ کر مسلمانوں کو اس امر کی ہدایت کہ اگر تم سچے مومن ہو تو اللہ سے ڈرتے رہو، اپنے آپس کے تعلقات رشک و رقابت سے پاک رکھو، اللہ و رسول کی ہر معاملے میں اطاعت کرو۔ سچے اور پکے اہل ایمان کی خصوصیات کا بالاجمال حوالہ اور ان کے لیے اللہ کے ہاں اجر عظیم کا وعدہ۔

(۵-۸) کمزور قسم کے مسلمانوں کی ایک اور کمزوری کی طرف اشارہ جو جنگ بدر کے لیے نکلتے ہوئے ان سے صادر ہوئی کہ باوجودیکہ ان پر یہ بات واضح تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ نکلنا قریش کی اس فوج سے مقابلہ کے لیے ہے جو تجارتی قافلہ کی حفاظت کا بہانہ بنا کر مدینہ پر حملہ کرنا چاہتی ہے لیکن وہ فوج کے مقابلہ سے ڈرتے رہے اور انھوں نے پورا زور اس بات پر لگایا کہ آنحضرت تجارتی قافلہ کا رخ کریں تاکہ بغیر کسی خطر کے لقمۂ تر ہاتھ آئے حالانکہ اللہ و رسول کا منشا یہ تھا کہ حق کا بول بالا ہو اور باطل کا زور ٹوٹے جو اسی صورت میں متصور تھا جب قریش کی عسکری قوت مجروح ہو نہ کہ ایک غیر مسلح تجارتی قافلہ۔

(۹-۱۴) مسلمانوں کی تقویت اور حوصلہ افزائی کے لیے ان غیبی تائیدات کا حوالہ جو بدر کے موقع پر ظاہر ہوئیں۔ مسلمانوں کی دعا کے جواب میں بروقت ہزار فرشتوں کی مدد کا وعدہ۔ برسرِ موقع میدانِ جنگ میں اطمینان کی نیند اور بارش کے نزول سے مساعد حالات کا ظہور۔ امدادی فرشتوں کو یہ ہدایت خداوندی کہ مسلمانوں کا حوصلہ بحال رکھو، کفار کو مرعوب کر دو اور ان کے پرخچے اڑا دو۔

(۱۵-۱۸) مذکورہ تائیداتِ غیبی کی روشنی میں مسلمانوں کو یہ ہدایت کہ کفار سے جب مقابلہ ہو تو کبھی پیٹھ نہ دکھاؤ، منظم فوج کشی کی صورت میں پیٹھ دکھانے والے خدا کے غضب اور جہنم کے عذاب کے سزاوار ٹھہریں گے۔ مسلمان جب خدا کی راہ میں لڑتے ہیں تو صرف وہی نہیں لڑتے بلکہ ان کی طرف سے خدا بھی لڑتا ہے اور اہلِ ایمان کے لیے جوہر دکھانے کے مواقع فراہم کرتا ہے، بدر میں اس حقیقت کا مشاہدہ تم کر چکے ہو۔ اور یہ جو کچھ ہوا ہے اس پر بس نہ سمجھو، آئندہ اللہ ان کفار کی ساری چالیں بے کار کر دے گا۔

(۱۹) قریش کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے برسرِ موقع تنبیہ کہ تم کہتے تھے کہ اس جنگ میں جس کو فتح حاصل ہو گی وہ برسرِ حق سمجھا جائے گا تو دیکھ لو فتح ظاہر ہو گئی۔ اب بہتر ہے کہ کسی مزید شرارت کی جرأت نہ کرو۔ اگر تم باز نہ آئے، پھر شرارت کی تو یاد رکھو ہم کہیں چلے نہیں گئے ہیں، ہم بھی اپنی شان پھر دکھائیں گے اور یہ اچھی طرح یاد رکھو کہ تمہارے لاؤ لشکر کی کثرت کچھ کام نہ آئے گی، مسلمانوں کے پہلو پر ہم ہیں۔

(۲۰-۲۳) مسلمانوں کو یہ ہدایت کہ پوری وفاداری کے ساتھ اللہ و رسول کی اطاعت کرو، رسول کی عین موجودگی میں اس سے انحراف نہ اختیار کرو۔ یہ روش ان یہود کی ہے جو کہتے تھے کہ ہم نے مانا لیکن مانتے نہیں تھے۔ اللہ کے نزدیک سب سے بدتر جانور وہ بہرے گونگے لوگ ہیں جو سوچنے سمجھنے سے عاری ہیں۔ اللہ نے ان میں کوئی صلاحیت نہیں پائی۔ اس وجہ سے ان کو قبولِ حق سے محروم کر دیا۔ توفیقِ الٰہی انہی لوگوں پر کارگر ہوتی ہے جو اپنے اندر اثر پذیری اور قبولِ حق کی صلاحیت زندہ رکھتے ہیں۔

(۲۴-۲۶) مسلمانوں کو تنبیہ کہ رسول کی دعوت تمہارے لیے روح و قلب کی زندگی کی دعوت ہے تو اس دعوت کی قدر کرو اور اس پر لبیک کہو۔ اگر تم نے کمزوری دکھائی اور تذبذب کے شکار رہے تو یاد رکھو کہ آدمی اور اس کی قوتِ ارادی کے درمیان سنتِ الٰہی حائل ہو جاتی ہے۔ پھر وہ خیر کی توفیق سے محروم ہو جاتا ہے۔ اجتماعی زندگی میں جو خرابیاں کچھ مخصوص لوگوں کی طرف سے ظاہر ہوتی ہیں اگر دوسرے ان کی اصلاح کی کوشش نہ کریں تو ان کے برے نتائج کی لپیٹ میں اچھے برے سب آ جاتے ہیں۔ اسلام کے مستقبل کی طرف سے کسی تذبذب اور اندیشے میں مبتلا نہ ہو۔ تم اس ملک میں تھوڑے تھے۔ خدا نے تمہیں زیادہ کیا اور اپنی تائید و نصرت سے تمہیں نوازا۔ اسی خدا پر بھروسہ رکھو وہ آگے کے مراحل میں بھی تمہارا کارساز ہے۔

(۲۷-۲۹) کمزور قسم کے مسلمانوں کو تنبیہ کہ اللہ اور رسول سے عہدِ اطاعت و وفاداری کر چکنے کے بعد بے وفائی نہ کرو۔ مال و اولاد کی محبت اللہ و رسول کی محبت کے تقاضوں میں مانع نہ ہو۔ یہ چیزیں فتنہ ہیں۔ ان

فتنوں میں پڑ کر اس اجر عظیم کو ضائع نہ کرو جو اللہ کے پاس اس کے وفادار بندوں کے لیے محفوظ ہے۔ جو لوگ محبت دنیا کو اپنے اوپر غالب نہ ہونے دیں گے اللہ ان کے آگے سے باطل کے تمام حجابات چاک کردے گا اور ان کو اپنی مغفرت سے نوازے گا۔

(۳۰-۳۷) پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے ان تائیدات ربانی کی یاد دہانی جو قریش کی مسلسل سازشوں کے مقابل میں ظاہر ہوئیں اور جن سے ان کے تمام منصوبے خاک میں مل گئے، ان کی ساری چالیں شکست کھا گئیں اور خدا کی تدبیر غالب رہی۔ وہ قرآن کو اگلوں کا فسانہ کہتے تھے لیکن اس کا انذار ان کے لیے واقعہ ثابت ہوا۔ وہ مطالبہ کر رہے تھے کہ اگر تم پیغمبر برحق ہو تو ہم پر آسمان سے پتھر برسیں یا کوئی اور عذاب آئے تو ہم مانیں گے لیکن اللہ تعالیٰ نے اس وجہ سے ان پر عذاب نہیں بھیجا کہ تم ان کے اندر موجود تھے لیکن اب جب کہ تم ان کے اندر سے نکل چکے ہو کوئی وجہ نہیں ہے کہ وہ عذاب سے محفوظ رہیں۔ وہ اپنے آپ کو مسجد حرام کا متولی سمجھتے ہیں لیکن وہ اس کے متولی کہاں سے ہوگئے؟ اس کے متولی تو صرف خدا سے ڈرنے والے بندے ہی ہو سکتے ہیں۔ ان مدعیوں کو اللہ کے اس گھر کی اصل تاریخ اور اس کے مقاصد تعمیر کا کوئی علم نہیں، تالی پیٹنا اور سیٹی بجانا ان کی نماز ہے، بھلا اس مسخرا پن کو نماز ابراہیمی سے کیا علاقہ؟ یہ اللہ کی راہ سے لوگوں کو روکنے اور اسلام کو شکست دینے کے لیے بڑی دلبری سے جو اپنے مال خرچ کر رہے ہیں اس کا کچھ حاصل نہیں۔ یہ سارا خرچ ان کے لیے موجب حسرت واندوہ بنے گا۔ اب ان کے آگے صرف جہنم ہے۔ خدا اس سارے ذخیرۂ خبیث کو اکٹھا کر کے دوزخ کی آگ میں جھونک دے گا۔

(۳۸-۴۰) کفار قریش کو تنبیہ کہ اگر وہ اپنی شرارتوں سے باز آجائیں تو یہ ان کے حق میں بہتر ہے۔ اگر انھوں نے اپنے رویے کی اصلاح کر لی تو ان کی پچھلی غلطیاں معاف کر دی جائیں گی اور اگر وہ باز نہ آئے تو یاد رکھیں کہ ان کا بھی وہی حشر ہونا ہے جو ان سے پہلے انبیاء کو جھٹلانے والی قوموں کا ہو چکا ہے۔ مسلمانوں کو یہ ہدایت کہ ان سے جنگ جاری رکھو یہاں تک کہ کمزور مسلمانوں پر ان کے جبر و ظلم کا خاتمہ ہو جائے اور اس سرزمین پر اللہ کے دین کے سوا کوئی اور دین باقی نہ رہ جائے۔ اگر یہ باز آگئے تو ان کے لیے بہتر ہے، اگر باز نہ آئے تو خدا تمھارا مددگار ہے اور وہ بہترین مددگار ہے۔

(۴۱-۴۴) مال غنیمت کی تقسیم سے متعلق سوال مذکورہ آیت ۱ کا تفصیلی جواب اور مسلمانوں کو یہ تنبیہ کہ اس تقسیم کو خوش دلی سے قبول کریں۔ اللہ و رسول کے فیصلہ پر راضی رہنا ہی سچے ایمان کی علامت اور اس کا تقاضا ہے۔ یہ یاد رکھو کہ بدر کے دن تمھیں جو کامیابی حاصل ہوئی یہ تمھاری اپنی تدبیر اور تمھارے لیے تدبر کا کرشمہ نہیں تھی بلکہ یہ ساری اسکیم اللہ کی بنائی ہوئی تھی۔ یہ اسی کی کارسازی تھی اور اس نے ٹھیک اس وقت تمھاری فوج کو اس وادی کے ایک سرے پر پہنچا دیا جس کے دوسرے سرے پر دشمن کی فوجیں پہنچ چکی تھیں

اگر تم ایک دوسرے کو الٹی میٹم دے کر نکلتے تو تمہارا یہ عین وقت پر دشمن کے مقابلہ کے لیے پہنچ جانا ممکن نہ تھا۔ یہ اللہ کی اسکیم تھی جو پوری ہوئی۔ اس نے یہ چاہا کہ تمہارے اور قریش کے درمیان ایک ایسا معرکہ ہو جائے جو حق و باطل کے درمیان ایک امتیاز پیدا کر دے تاکہ اس کے بعد جو کفر پر جمے رہنا چاہیں ان پر حجت قائم ہو جائے اور جو اسلام کو اختیار کریں ان کو ایک روشن دلیل مل جائے۔ یہی رمز تھا کہ خدا نے کفار کی فوج کو پیغمبر کی رویا میں کم دکھایا تاکہ مسلمانوں میں ہراس نہ پیدا ہو اور وہ ان سے ٹکر لینے کے لیے پُرحوصلہ رہیں اور پھر یہی رمز تھا کہ جب تمہاری اور ان کی فوجیں آمنے سامنے ہوئیں تو تمہاری نگاہوں میں خدا نے ان کو حقیر دکھایا اور ان کی نگاہوں میں تم کو کم دکھایا تاکہ ٹکر لینے سے کوئی بھی نہ جھجکے اور وہ معرکہ واقع ہو ہی جائے جو حق و باطل کے درمیان ایک فرق بن کر نمایاں ہو۔ یاد رکھو کہ سارے معاملات کا سررشتہ خدا ہی کے ہاتھ میں ہے۔

(۴۵-۴۶) مسلمانوں کو آئندہ کے لیے نصیحت کہ بدر کی اس جنگ میں تم نے دیکھ لیا کہ اصل کارساز خدا ہے تو جب کفار کے کسی گروہ سے تمہاری ٹکر ہو جائے تو پورے جماؤ اور پوری ثابت قدمی سے لڑو اور اپنے مرجع حقیقی خدا کو زیادہ سے زیادہ یاد کرو۔ یہی فلاح کا راستہ ہے۔ اللہ اور اس کے رسول کی پوری اطاعت کرو کسی امر میں اختلاف نہ کرو ورنہ ہزیمت اٹھاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی۔ دوسری چیز جو اطاعت کے ساتھ مطلوب ہے وہ ثابت قدمی اور پامردی ہے۔ خدا انہی کے ساتھ ہوتا ہے جو اس کی راہ میں ثابت قدمی دکھاتے ہیں۔

(۴۷-۴۹) ان کفار کی روش سے بچتے رہنے کی ہدایت جو اکڑتے، اتراتے اور اپنے کرّوفر کی نمائش کرتے ہوئے میدانِ جنگ میں اترے تھے اور مقصود جن کا لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکنا تھا، ان لوگوں کو پتہ نہیں کہ خدا کے آگے کسی کی پیش نہیں جاتی، سب کا زور و زر اور سب کا کرّوفر اس کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ ان لوگوں کو شیطان نے پٹی پڑھائی تھی کہ آج تمہارا کوئی مدّمقابل نہیں اور میں تمہارا ساتھی ہوں لیکن جب اس نے میدانِ جنگ کا نقشہ دیکھا تو اپنی روایت کے مطابق دُم دبا کر بھاگا کہ میں تو اللہ رب العلمین سے ڈرتا ہوں (یہاں ایک لطیف تعریض یہود کی طرف بھی ہے، تفسیر میں اس کی وضاحت آگے آئے گی) منافقین اور حاسدوں کے اس طعنہ کا جواب جو وہ مسلمانوں کی حوصلہ شکنی کے لیے دیتے تھے کہ ان کو ان کے دین کے غرّے نے نتائج و عواقب سے بے پروا کر دیا ہے، یہ ہاتھیوں سے گنّے کھانے چلے ہیں۔ ان منافقین کو پتا نہیں تھا کہ خدا کا بھروسہ بڑی چیز ہے، خدا عزیز و حکیم ہے۔

(۵۰-۵۴) قریش کو تہدید کہ یہ بدر میں جو کچھ پیش آیا ہے یہ تو محض نقد عاجل ہے، مرنے کے بعد جو کچھ تمہارے سامنے آنے والا ہے وہ بڑی ہی سخت چیز ہے اور یہ جو کچھ ہوا ہے یا جو کچھ ہوگا یہ تم پر کوئی ظلم نہیں ہے بلکہ تمہارے اعمال کا قدرتی نتیجہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کسی قوم کے ساتھ اپنے

رویے کو نہیں بدلتا جب تک وہ قوم اپنا رویہ نہ بدل لے۔ تم سے پہلے قوم فرعون اور دوسری قوموں کے ساتھ بھی اللہ تعالیٰ نے یہی معاملہ کیا۔ جب انھوں نے اللہ کی آیات کی تکذیب کی خدا نے ان کو تنبیہ کی، پھر جب اس تنبیہ کے بعد بھی وہ سرکشی سے باز نہ آئے تو خدا نے ان کو اپنے عذاب میں دھر لیا اور وہ فنا کر دیے گیے۔ اسی طرح بدر کا واقعہ تمہارے لیے ایک تنبیہ ہے۔ اگر اس سے تم نے سبق نہ لیا تو تمہارے سامنے بھی وہی انجام آجائے گا جو فرعون اور اس کی قوم کے سامنے آیا۔

(۵۵-۶۲) پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدایت کہ جن گروہوں نے تم سے معاہدہ کر رکھا ہے لیکن وہ اس کا احترام نہیں کر رہے ہیں بلکہ جب کوئی موقع ان کو ہاتھ آجاتا ہے معاہدے کو توڑ دیتے ہیں، ان کے ساتھ ذرا رعایت نہ کرو۔ اگر کسی جنگ میں وہ تمہارے مقابل میں آئیں تو ان کو ایسا سبق دو کہ جو ان کی پشت پناہی کر رہے ہیں اُن کے بھی ہوش درست ہو جائیں۔ یہ لوگ تمہارے قابو سے باہر نہیں نکل سکتے۔ مسلمانوں کو چاہیے کہ اپنے مقدور بھر اپنی فوجی قوت بڑھائیں تاکہ اللہ کے اور اپنے ان دشمنوں کو مرعوب رکھ سکیں جن میں سے بعض ظاہر ہیں اور بعض ابھی پس پردہ ہیں۔ مسلمان اس مقصد کے لیے جو بھی خرچ کریں گے خدا کے ہاں سب پورا کر دیا جائے گا، کوئی کمی نہیں کی جائے گی۔ ہاں اگر یہ صلح کے خواہشمند ہوں تو تم بھی صلح سے گریز نہ کرو۔ اللہ پر بھروسا کر کے ان سے صلح کر لو۔ اگر اس مصالحت سے ان کا مقصد تم کو دھوکا دینا ہو تو تمہارے لیے وہ اللہ کافی ہے جس نے اپنی تائید خاص اور مسلمانوں کے ذریعے سے تمہاری مدد فرمائی۔ یہ اللہ ہی کا فضل ہوا ہے کہ اس نے اہل ایمان کے دلوں کو آپس میں جوڑ دیا ہے ورنہ یہ کام تو دنیا جہان کی دولت بھی تم لٹا دیتے جب بھی ہونا ممکن نہیں تھا۔

(۶۳-۶۵) پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اطمینان دہانی کہ تم اپنے ساتھیوں کی افرادی قوت کی کمی سے کسی پریشانی میں مبتلا نہ ہو، تمہارے لیے اللہ اور مومنین کی یہی مختصر سی جماعت کافی ہے۔ تم انھی مسلمانوں کو جہاد پر ابھارو۔ تمہارے بیس ثابت قدم جانباز کفار کے دو سو آدمیوں پر بھاری رہیں گے اور تمہارے سو مجاہد حریف کے ایک ہزار کے لشکر کو شکست دیں گے۔ جنگ، عزم و ایمان سے لڑی جاتی ہے۔ ان ناسمجھ کفار کے اندر یہ جوہر کہاں ؟

(۶۶) ایک آیت تخفیف جو بعد میں اس زمانہ میں نازل ہوئی جب لوگ اسلام کے اندر فوج در فوج داخل ہونے لگے۔ چونکہ ان مسلمانوں کے اندر وہ پختہ کاری نہیں تھی جو سابقون الاوّلون کے اندر تھی۔ اس وجہ سے وہ عددی نسبت گھٹا دی گئی جو اوپر والی آیت میں مذکور ہوئی۔ اب نسبت صرف ایک اور دو کی رہ گئی، وضاحت آیت کی تفسیر کے تحت آئے گی۔

(۶۷-۶۹) کفار کے اس طعنہ کا جواب جو بدر میں شکست کھانے کے بعد انھوں نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا کہ بھلا یہ پیغمبر کس طرح ہو سکتے ہیں، پیغمبر کا کہیں یہ کام ہوتا ہے کہ وہ اپنی ہی قوم سے جنگ کرے، اس کا

خون بہائے، اس کے اندر سے قیدی پکڑے، ان سے فدیہ وصول کرے، اور قوم کے مال کو مالِ غنیمت قرار دے کر اپنے ساتھیوں میں تقسیم کرے اور کھائے کھلائے؟ اس طعنہ سے ان کا مقصود بدر میں مسلمانوں کی فتح کے ان اثرات کو مٹانا تھا جو قدرتی طور پر عام لوگوں کے دلوں پر پڑتے نظر آئے۔ چونکہ قریش کے لیڈروں نے خود اس جنگ کو حق و باطل کے درمیان امتیاز کی کسوٹی بنا دیا تھا، اس وجہ سے انھیں بدر میں منہ کی کھانے کے بعد اپنے پروپیگنڈے کا رخ بدل دینا پڑا۔ اب انھوں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ نعوذ باللہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اقتدار اور حکومت کے خواہاں ہیں۔ اور اس مقصد کی خاطر انھوں نے اپنی ہی قوم کو آپس میں ٹکرا دیا ہے جو ایک پیغمبر کا کام کبھی نہیں ہوتا۔ قرآن نے ان کو یہ جواب دیا کہ یہ جو کچھ ہوا ہے پیغمبر کی وجہ سے نہیں ہوا ہے بلکہ اس کے باعث تم خود ہوئے ہو۔ دنیا کے طالب تم ہو۔ اللہ و رسول دنیا کے طالب نہیں ہیں۔ تم نے اسلام اور مسلمانوں کی بیخ کنی کی سازش کر کے جو اقدام کیا تھا وہ ایسا سنگین مجرمانہ اقدام تھا کہ حق تھا کہ تم پر خدا کی طرف سے عذابِ عظیم آ جاتا جو تمہارا فیصلہ ہی کر دیتا لیکن اللہ تعالیٰ نے ہر قوم کے لیے جو مہلت لکھ رکھی ہے وہ تم کو ملی اور تم عذاب سے تباہ کر دیے جانے کے بجائے صرف تنبیہ کر کے چھوڑ دیے گئے۔ اس کے بعد مسلمانوں کو خطاب کر کے ان کو اطمینان دلایا کہ یہ تمہارے مالِ غنیمت پر جو اعتراض کر رہے ہیں تم اس کی کوئی پروا نہ کرو۔ اس کو کھاؤ برتو، یہ تمہارے لیے حلال طیب ہے۔

(۷۰) اسی سلسلہ میں بدر کے قیدیوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے یہ کہلوایا کہ اگر اللہ نے ان کے دلوں میں کوئی بھلائی پائی، انھوں نے اس احسان کی قدر کی کہ ان کو فدیہ لے کر چھوڑ دیا گیا تو ان کے لیے مزید بھلائی کی راہیں کھلیں گی۔ اور اگر انھوں نے بے وفائی اور بدعہدی کی اور پھر خدا سے لڑنے کے لیے نکلے تو یاد رکھیں کہ خدا ان پر پھر تم کو اسی طرح قابو دے دے گا جس طرح اس نے بدر میں ان کو تمہارے قابو میں دے دیا۔

(۷۱-۷۵) مہاجرین اور انصار کے درمیان اخوت کی تاسیس۔ اس اخوت میں وہ تمام مسلمان شریک ہیں جو کفر کے علاقوں سے ہجرت کر کے اس میں آ شامل ہوں۔ جو مسلمان ہجرت نہ کریں، دارالاسلام کے مسلمانوں پر ان کی نصرت و حمایت کی کوئی ذمہ داری نہیں۔ اگر اپنے دین و ایمان کے تحفظ کے لیے وہ کسی مدد کے طالب ہوں تو ان کی مدد کی جائے بشرطیکہ یہ مدد مسلمانوں کے کسی معاہد گروہ کے خلاف یا اس کے مقابل میں نہ ہو۔ اب حقوق و فرائض اور حمایت و نصرت کی ذمہ داری ایمان و ہجرت کی بنیاد پر ہوگی۔ پچھلے خاندانی اور قبائلی تعلقات کی بنیاد پر نہیں ہوگی۔ البتہ مسلمانوں کے آپس کے حقوق کی بنیاد انہی رحمی رشتوں کے تحت ہوگی جو اللہ کی کتاب میں بیان ہوئے ہیں۔

سُوْرَةُ الْاَنْفَالِ (٨)

مَدَنِيَّةٌ —— اٰيَاتُهَا ٧٥

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

آيات ١-٨

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ فَاتَّقُوا
اللّٰهَ وَاَصْلِحُوْا ذَاتَ بَيْنِكُمْ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗٓ اِنْ
كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝١ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ
وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَاِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّعَلٰى
رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ۝٢ الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ
يُنْفِقُوْنَ ۝٣ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا لَهُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ
رَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ۝٤ كَمَآ اَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْ بَيْتِكَ
بِالْحَقِّ وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَكٰرِهُوْنَ ۝٥ يُجَادِلُوْنَكَ
فِي الْحَقِّ بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ كَاَنَّمَا يُسَاقُوْنَ اِلَى الْمَوْتِ وَهُمْ
يَنْظُرُوْنَ ۝٦ وَاِذْ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ اِحْدَى الطَّآئِفَتَيْنِ اَنَّهَا لَكُمْ
وَتَوَدُّوْنَ اَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُوْنُ لَكُمْ وَيُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ
يُّحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِيْنَ ۝٧ لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَ

يُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۸﴾

ترجمۂ آیات ۱-۸

وہ تم سے غنیمتوں کے بابت سوال کرتے ہیں، ان کو بتا دو کہ غنیمتیں اللہ اور رسول کے لیے ہیں، پس اللہ سے ڈرتے رہو، اپنے باہمی تعلقات کی اصلاح اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو، اگر تم سچے مومن ہو۔ مومن تو وہی ہیں کہ جب اللہ کا ذکر کیا جائے ان کے دل دہل جائیں اور جب اس کی آیتیں ان کو سنائی جائیں تو وہ ان کے ایمان میں اضافہ کریں اور وہ اپنے رب ہی پر بھروسہ رکھیں۔ جو نماز کا اہتمام کریں اور اس مال میں سے، جو ہم نے ان کو بخشا ہے، خرچ کریں۔ یہی لوگ سچے مومن ہیں۔ ان کے لیے ان کے رب کے پاس درجے اور مغفرت اور باعزت روزی ہے۔ ۱-۴

اسی طرح کی بات اس وقت ظاہر ہوئی جب تمہارے رب نے ایک مقصد کے ساتھ تم کو گھر سے نکلنے کا حکم دیا اور مسلمانوں میں سے ایک گروہ کو یہ بات ناگوار تھی۔ وہ تم سے امر حق میں جھگڑتے رہے باوجودیکہ حق ان پر اچھی طرح واضح تھا معلوم ہوتا تھا کہ وہ موت کی طرف ہانکے جا رہے ہیں اور وہ اس کو دیکھ رہے ہیں۔ یاد کرو جب کہ اللہ تم سے دو گروہوں میں سے ایک کا وعدہ کر رہا تھا کہ وہ تمہارا لقمہ بنے گا اور تم یہ چاہ رہے تھے کہ غیر مسلح گروہ تمہارا لقمہ بنے اور اللہ چاہتا تھا کہ وہ اپنے کلمات سے حق کا بول بالا کرے اور کافروں کی جڑ کاٹے تاکہ مجرموں کے علی الرغم وہ حق کو پار جا اور باطل کو نابود کرے۔ ۵-۸

۱۔ الفاظ کی تحقیق اور آیات کی وضاحت

يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ ۚ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَصْلِحُوْا ذَاتَ بَيْنِكُمْ ۖ وَاَطِيْعُوا

اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗٓ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ (۱)

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ۔

لفظ انفال کی تحقیق

انفال، نفل کی جمع ہے، اس کے معنی اضافہ اور زیادتی کے ہیں۔ جو چیز کسی کو اس کے حق سے زیادہ دی جائے تو جتنی حق سے زیادہ دی گئی وہ نفل ہے۔ اسی طرح اگر کسی نے حق واجب سے زیادہ ادا کیا تو اس حصہ مزید کو نفل کہیں گے۔ یہاں انفال سے اس مالِ غنیمت کو تعبیر کیا گیا ہے جو راہِ خدا میں جہاد کرنے والوں کو مفتوح دشمن سے میدان جنگ میں حاصل ہوتا ہے۔ اس تعبیر میں یہ لطیف اشارہ ہے کہ اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے دشمن سے جو مال غنیمت حاصل کرتے ہیں اس کی حیثیت ان کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک نفل مزید اور انعام مزید کی ہے اس لیے کہ جہاد کا جو اجر ہے وہ اس سے بالکل الگ مستقلاً اللہ کے ہاں دائمی اور بے پایاں اجر کی شکل میں محفوظ ہو جاتا ہے۔

غنیمت سے متعلق سوال کی نوعیت

سوال، جیسا کہ ہم بقرہ کی تفسیر میں واضح کر چکے ہیں، بعض اوقات اعتراض کی نوعیت کا بھی ہوتا ہے، خواہ وہ الفاظ سے ظاہر ہو یا اس کے اندر مضمر ہو۔ یہاں قرینہ دلیل ہے کہ اسی نوعیت کے سوال کا حوالہ ہے۔ یہ سوال، جیسا کہ اوپر ہم نے اشارہ کیا، غزوۂ بدر میں حاصل شدہ مال غنیمت سے متعلق ہے۔ اس سے پہلے مسلمانوں کو کفار سے نہ تو کوئی منظم جنگ پیش آئی تھی نہ مال غنیمت اور اس کی تقسیم کا سوال پیدا ہوا تھا۔ ۲ھ میں یہ جنگ پیش آئی جس میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح بھی شاندار عطا فرمائی اور مال غنیمت بھی ان کو کافی مقدار میں حاصل ہوا۔ جاہلیت میں تو دستور یہ تھا کہ جو جتنا مال جنگ میں لوٹے وہ اس کا حقدار ہے۔ اسی دستور کی بنا پر بعض لوگوں نے، خاص طور پر کمزور قسم کے مسلمانوں نے ایسے سوالات اٹھائے جن سے یہ بات نمایاں ہوئی کہ تقویٰ، باہمی خیر خواہی، اطاعت اللہ و رسول کی وہ روح جو سچے ایمان کا تقاضا ہے ابھی ایک گروہ کے اندر اچھی طرح پختہ نہیں ہوئی ہے۔ اگرچہ یہ سوال، جیسا کہ قرائن سے واضح ہے، کچھ خاص افراد ہی کی طرف سے اٹھایا گیا لیکن اسلامی معاشرہ کے اندر اس سے ایک بڑی خامی کی نشان دہی ہوئی تھی اس وجہ سے قرآن نے مسلمانوں کی تطہیر و تنظیم کی اس سورہ کا آغاز اسی واقعہ سے کیا کہ

سر چشمہ شاید گرفتن بہ میل　　　چو پر شد نشاید گزشتن بہ پیل

اور اس کا ذکر بھی عام صیغہ سے کیا تاکہ کسی خاص گروہ کی پردہ دری نہ ہو بلکہ تمام مسلمان بحیثیت مجموعی اس تعلیم کو قبول کریں اور اپنے اندر کسی ایسے رجحان کو نشو و نما نہ پانے دیں جو تقویٰ و توکل، باہمی ہمدردی اور اطاعت اللہ و رسول کے خلاف ہو۔

جس قسم کے سوال کی طرف قرآن نے یہاں اشارہ کیا ہے اس کی تفصیل تاریخ و سیرت کی کتابوں میں موجود ہے۔ ابن ہشام میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ سے فارغ ہونے کے بعد حکم دیا کہ فوج

کے لوگوں نے جتنا مالِ غنیمت جمع کیا ہے سب اکٹھا کیا جائے چنانچہ وہ سب اکٹھا کیا گیا۔ اب لوگوں میں اختلاف ہوا کہ یہ کس کا حق ہے؟ جن لوگوں نے جمع کیا تھا وہ مدعی ہوئے کہ یہ ہمارا حق ہے، اگر ہم نہ ہوتے تو یہ مال حاصل نہ ہوتا، ہم نے دشمن کو مار بھگایا اس وجہ سے یہ ہاتھ لگا۔ اسی طرح جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت پر تھے انھوں نے کہا کہ ہم بھی سب کچھ کر سکتے تھے، لڑ بھی سکتے تھے، غنیمت بھی جمع کر سکتے تھے لیکن ہم نے رسول اللہ کی حفاظت کے کام کو دوسرے تمام کاموں پر مقدم رکھا اس وجہ سے مالِ غنیمت میں دوسرے لوگ ہم سے زیادہ حق دار نہیں ہو سکتے۔ غرض مختلف سوالات اٹھ کھڑے ہوئے جن سے لوگوں کے اندر دبی ہوئی بعض کمزوریاں سامنے آگئیں اور حکمتِ الٰہی مقتضی ہوئی کہ ان کمزوریوں کا برسرِ موقع علاج ہو جائے تاکہ یہ مزید بڑھنے نہ پائیں۔

سوالات کا اصولی جواب

قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ۔ یہ ان تمام سوالات کا جامع اور اصولی جواب ہے کہ ان کو بتا دو کہ اموالِ غنیمت اللہ اور رسول کی ملک ہیں۔ 'اللہ و رسول کی ملک'، قرآن میں اجتماعی ملکیت کی تعبیر ہے۔ اس اصولی جواب نے اموالِ غنیمت کے باب میں اس جاہلی دستور کا خاتمہ کر دیا جو اب تک رہا تھا اور جس کی بنا پر یہی وہ سوالات پیدا ہوئے تھے جو اوپر مذکور ہوئے۔ گویا اموالِ غنیمت میں استحقاق کی بنیاد یہ نہیں ہوگی کہ کس نے جمع کیا، کس نے بالفعل جنگ کی، کس نے پہرہ دیا بلکہ اس میں سب مجاہدین، بلالحاظ اس کے کہ کس کی خدمت کی نوعیت کیا رہی ہے، شریک ہوں گے اور دوسرے مسلمانوں کا بھی اس میں حصہ ہو گا۔ یہاں یہی اصولی جواب دے کر کلام کا رخ ان خامیوں کی اصلاح کی طرف مڑ گیا ہے جو اس واقعہ سے نمایاں ہوئی تھیں۔ پھر آگے چل کر آیت ۴۱ میں اس اجمال کی تفصیل بھی فرما دی کہ اس کا کتنا حصہ مجاہدین پر تقسیم ہو گا اور کتنا حصہ دوسرے مسلمانوں کے حق کی حیثیت سے بیت المال میں جمع ہو گا۔

مسلمانوں کی اجتماعی شیرازہ بندی کی بنیاد

فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَصْلِحُوْا ذَاتَ بَيْنِكُمْ۔ جس طرح تقویٰ اور پاسِ رحم کو سورۂ نساء میں تمام خاندانی و معاشرتی صلاح و فلاح کی اساس ٹھہرایا ہے۔ اسی طرح یہاں تقویٰ اور اصلاحِ ذات البین کو مسلمانوں کی اجتماعی شیرازہ بندی کی بنیاد قرار دیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اموالِ غنیمت اصلاً اللہ اور رسول کی ملکیت ہیں تو اللہ و رسول جس طرح ان کو تقسیم کریں پوری خوش دلی اور رضامندی سے اس تقسیم کو قبول کرو۔ نہ اللہ کے حکم سے متعلق دل میں کوئی بدگمانی یا رنجش پیدا ہو اور نہ اپنے دینی بھائیوں کے خلاف کوئی رشک و حسد کا جذبہ ابھرے کہ فلاں اور فلاں کو اس مال میں کیوں شریک بنا دیا گیا؟ تمام مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ ان کے باہمی تعلقات کی بنیاد اخوت، رحم اور محبت پر ہے۔ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ کا گروہ ہے۔ ان کے اندر حسد، رقابت، خود غرضی اور نفسا نفسی کی حالت اس ایمان اور تقویٰ کے منافی ہے جس کو انھوں نے اختیار کیا ہے۔ جن کے اندر ابھی کوئی کانٹا اپنے دینی بھائیوں کے خلاف موجود ہے وہ اس کو نکال ڈالیں اور اپنے دامنِ دل کو ہر قسم کے غبار سے پاک و صاف کر لیں۔

ایمان باللہ کا لازمی تقاضا

وَاَطِیْعُوا اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗٓ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ۔ یہ ایمان باللہ کا اصل تقاضا بیان ہوا کہ جو لوگ اللہ و رسول پر ایمان کے مدعی ہیں ان پر لازم ہے کہ وہ اللہ و رسول کے ہر حکم کی اطاعت کریں۔ یہ بات ایمان کے منافی ہے کہ اللہ و رسول کا کوئی حکم اپنی خواہشات نفس کے خلاف ہو تو اس کے خلاف بغاوت کا جذبہ ابھرے یا اس سے متعلق دل میں کوئی رنجش یا بدگمانی جگہ پائے۔ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ کے الفاظ سے یہ بات نکلتی ہے کہ جو لوگ ایمان کا دعویٰ رکھتے ہیں وہ ایمان کی اس حقیقت کو اچھی طرح سمجھ لیں۔ جنھوں نے ایمان کی یہ حقیقت نہیں سمجھی ہے ان کا دعوائے ایمان بالکل بے حقیقت ہے۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اِذَا ذُکِرَ اللّٰہُ وَجِلَتْ قُلُوْبُھُمْ وَاِذَا تُلِیَتْ عَلَیْھِمْ اٰیٰتُہٗ زَادَتْھُمْ اِیْمَانًا وَّعَلٰی رَبِّھِمْ یَتَوَکَّلُوْنَ ۝ الَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وَمِمَّا رَزَقْنٰھُمْ یُنْفِقُوْنَ ۝ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا لَھُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ رَبِّھِمْ وَمَغْفِرَۃٌ وَّرِزْقٌ کَرِیْمٌ ۝ (۲-۴)

سچے اہل ایمان کے اوصاف

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ .... اب یہ حقیقی ایمان اور سچے اہل ایمان کے اوصاف بیان ہو رہے ہیں۔ گویا اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ کے الفاظ میں جن کمزور قسم کے لوگوں کی طرف اشارہ تھا ان کے سامنے سچے اہل ایمان کی تصویر رکھ دی گئی کہ اگر ایمان کا دعویٰ ہے تو اپنے اندر یہ اوصاف پیدا کرو۔ ان صفات کے بدون یہ دعویٰ کسی کو زیب نہیں دیتا۔

ایمان کی پہلی علامت

اِذَا ذُکِرَ اللّٰہُ وَجِلَتْ قُلُوْبُھُمْ وَاِذَا تُلِیَتْ عَلَیْھِمْ اٰیٰتُہٗ زَادَتْھُمْ اِیْمَانًا۔ ان کی پہلی علامت یہ بتائی کہ ان کے اندر خدا کی عظمت و کبریائی اور اس کی جلالت کا شعور ہوتا ہے۔ اس وجہ سے وہ خدا سے برابر ڈرتے رہتے ہیں۔ جب ان کے سامنے خدا کا نام آ جائے، جب ان کو اس کی یاددہانی کی جائے، جب ان کے سامنے کوئی بات خدا کی بات کی حیثیت سے پیش کی جائے، وہ اس کو خوف و خشیت کے گہرے احساس کے ساتھ سنتے ہیں۔ گویا ایمان کا پہلا تقاضا خدا کا خوف ہے جو اس کی عظمت و جلالت اور اس کی صفات عدل و حکمت و ربوبیت و رحمت کے صحیح تصور سے پیدا ہوتا ہے اور اسی سے وہ تقویٰ وجود میں آتا ہے جس کی اوپر وَاتَّقُوا اللّٰہَ کے الفاظ سے ہدایت فرمائی گئی ہے۔ یہ امر یہاں ملحوظ رہے کہ خدا کی رحمت و ربوبیت بھی، جیسا کہ ہم دوسرے مقام میں واضح کر چکے ہیں، خدا کے عدل اور اس کے روز جزا کو متلزم ہیں، اس وجہ سے ان صفات کا صحیح تصور بھی بندے کو خدا سے بے خوف نہیں بناتا بلکہ اس کے خوف کو بڑھاتا ہے اور اس خوف کی بنیاد خدا کی محبت پر ہوتی ہے۔

ایمان کی دوسری علامت

دوسری علامت یہ بتائی کہ جب اللہ کی آیات ان کو سنائی جاتی ہیں یہ ان کے ایمان کو بڑھاتی ہیں۔ قرینہ دلیل ہے کہ یہاں آیات سے مراد خدا کے احکام اور اس کے قوانین ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ خدا پر ایمان کے بعد ان کو سب سے زیادہ مرغوب و مطلوب خدا کی پسند و ناپسند اور اس کی مرضیات و احکام کا علم ہوتا ہے اور یہ علم ان کی دولت ایمان میں اضافہ کرتا ہے۔ ایمان کی مثال جڑ کی ہے اور آداب و احکام

اور قوانین و شرائع کی حیثیت اس جڑ سے پھوٹی ہوئی شاخوں اور ان سے ظہور میں آئے ہوئے برگ و بار کی۔ گویا پوری شریعت، ایمان ہی کا مظہر اور اسی کے مضمرات کی تفصیل ہوئی۔

'زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا' کے اسلوب بیان سے یہ بات بھی نکلتی ہے کہ جن کے اندر ایمان موجود ہوتا ہے جب ان کے سامنے ایمان کے مقتضیات و مطالبات آتے ہیں تو وہ پوری بشاشت سے ان کا خیر مقدم کرتے ہیں۔ وہ ان مقتضیات و مطالبات کو اپنے ہی لگائے ہوئے درخت کا پھل اور اپنی ہی بوئی ہوئی کھیتی کا حاصل سمجھتے ہیں اور جس طرح ہر کسان اپنی کھیتی کے حاصل اور اپنے درخت کے پھلوں میں افزونی دیکھ کر باغ باغ ہوتا ہے اسی طرح یہ اہلِ ایمان بھی اپنے ایمان کی یہ افزائش دیکھ کر شادمان ہوتے ہیں۔ یہ گویا ان مدعیانِ ایمان پر ایک لطیف تعریض ہوئی جو ایمان کا دعوے کرنے کو تو کر بیٹھے لیکن جب اس کے مطالبے سامنے آئے تو ان سے خوش ہونے کی بجائے ان کی پیشانیوں پر بل پڑ گئے کہ یہ کیا بلا نازل ہو گئی۔

ایک نکتہ

یہ نکتہ بھی یہاں ملحوظ رہے کہ ایمان کے اقرار کے بعد اس کے مطالبات میں سے بڑا یا چھوٹا جو مطالبہ بھی اہلِ ایمان کے سامنے آتا ہے وہ ان کے لیے آزمائش و امتحان کا ایک میدان کھولتا ہے اور جو سچے اہلِ ایمان ہوتے ہیں وہ اس امتحان سے گھبرانے کی بجائے اس میں بازی جیتنے کی کوشش کرتے ہیں اور یہ کوشش ان کی مومنانہ فطرت کا ایک فطری تقاضا ہوتی ہے۔ جس کے بروئے کار آنے سے ان کے لیے ہر امتحان فتح مندی کا ایک نیا دروازہ کھولتا ہے جس سے ان کا ایمان قوی سے قوی تر ہوتا جاتا ہے۔ اسی حقیقت کی طرف سورۂ احزاب میں یوں اشارہ فرمایا گیا ہے وَلَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ قَالُوْا هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَصَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَمَا زَادَهُمْ اِلَّآ اِيْمَانًا وَّتَسْلِيْمًا ۲۲- احزاب (اور جب مومنوں نے پارٹیوں کے ہجوم کو دیکھا تو بولے، یہ تو وہی صورتِ حال سامنے آئی ہے جس سے اللہ اور رسول نے پہلے ہی ہمیں خبردار کر دیا تھا، اور اس چیز نے ان کے ایمان و اطاعت میں اضافہ ہی کیا)

ایمان کی تیسری علامت

'وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ' یہ ان کی تیسری علامت بیان ہوئی ہے کہ وہ اپنے رب پر بھروسہ کرتے یعنی ایمان کے مطالبے، خواہ سخت ہوں یا نرم، ان سے دنیوی مفادات کو نقصان پہنچے یا نفع، ان کی خاطر تعلقات ٹوٹیں یا جڑیں وہ بہر حال دین و دنیا کی فلاح اپنے رب کے احکام کی تعمیل ہی میں سمجھتے ہیں۔ یہاں تک کہ ایمان کی راہ میں انھیں اپنے سر بھی کٹوانے پڑ جاتے ہیں تو وہ یہی یقین رکھتے ہیں کہ حیاتِ جاوداں کے حصول کی راہ یہی ہے۔ ان کو اپنے رب پر پورا بھروسہ ہوتا ہے کہ اس نے جو حکم بھی ان کو دیا ہے اور جس آزمائش میں بھی ان کو ڈالا ہے اس میں سر تا سر انہی کی فلاح ہے۔ اپنے بندوں کے ساتھ خدا کا کوئی معاملہ بھی حکمت و مصلحت اور رحمت و برکت سے خالی نہیں۔ اس مرحلے میں بھی ان

خام کاروں پر تعریض ہے جو دین کے مطالبات کو اپنے مفادات کی میزان میں تولنے کے خواہش مند تھے اور وہ باتیں ان کو بالکل بے مصلحت نظر آتی تھیں جن کو وہ اپنی خواہشات کے خلاف پاتے تھے۔

ایمان اہم تھو علامت

اَلَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ یہ چوتھی علامت بیان ہوئی اور اس کی حیثیت، جیسا کہ ہم دوسرے مقام میں واضح کر چکے ہیں، رأس الصفات کی ہے اس لیے کہ انہی دو چیزوں ــ اہتمام نماز اور انفاق ــ سے ان تمام اوصاف کی شیرازہ بندی ہوتی ہے جن سے ایمان اہل ایمان کو سنوارتا ہے۔ گویا اوپر ان چند خاص اوصاف کو بیان کرنے کے بعد جن کا بیان کرنا پیش نظر گروہ کی خامیوں کی اصلاح کے لیے ضروری ہوا، آخر میں ان دو چیزوں کا ذکر فرمایا جو سب کی جامع بھی ہیں اور سب کی محافظ بھی۔

اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا یعنی جن کے اندر یہ اوصاف ہیں سچے مومن وہی ہیں۔ رہے وہ لوگ، جو اہل ایمان کی صفوں میں آ تو گھسے ہیں لیکن ان اوصاف سے عاری ہیں، وہ محض مدعی ایمان ہیں سچے مومن نہیں ہیں۔ گویا اوپر اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ کے الفاظ میں جو بات اشارۃً فرمائی گئی تھی اب وہ پوری طرح واضح ہو کر سامنے آگئی۔

لَهُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ مطلب یہ ہے کہ خدا کے ہاں جو درجے اور مرتبے ہیں وہ ہر مدعی ایمان کے لیے نہیں ہیں بلکہ انہی لوگوں کے لیے ہیں جو اپنے اندر یہ اوصاف پیدا کرنے کی کوشش کریں گے۔ اس سیاق میں 'مغفرة' کا لفظ بڑا بلیغ اور بشارت انگیز ہے جس سے یہ بات نکلتی ہے کہ ہر چند مطلوب و مطبوع تو یہی اوصاف ہیں اور مراتب انہی کے اعتبار سے قائم ہوں گے لیکن اللہ رحیم و کریم ہے، وہ اپنے بندوں کی کمزوریوں سے بھی واقف ہے اس وجہ سے ان غلطیوں اور کوتاہیوں کے لیے اس کی مغفرت کا دامن بھی ہے جو انسان کی بشریت کے لوازم میں سے ہیں۔

'رزق' کا لفظ، جیسا کہ ہم دوسرے مقام میں واضح کر چکے ہیں ایک جامع لفظ ہے اور کریم کی صفت اس کے ساتھ اس حقیقت کو واضح کرتی ہے کہ اگرچہ بندوں کو سارا رزق و فضل رب کی عنایت ہی سے ملے گا لیکن اس کے ساتھ بندوں کے لیے عزت کی یہ سرفرازی بھی ہوگی کہ یہ سب کچھ ان نے حق کی حیثیت سے ان کو عطا ہوگا۔

ایمان کے گھٹنے اور بڑھنے کی نوعیت

اس تفصیل سے یہ حقیقت واضح ہوئی کہ ایمان کوئی ٹھونٹھ درخت نہیں ہے بلکہ یہ جڑ بھی رکھتا ہے اور شاخیں اور برگ و بار بھی۔ قرآن میں اس کی تمثیل یوں بیان ہوئی ہے کہ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّ فَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ اس کی مثال ایک ایسے درخت کی ہے جس کی جڑیں پاتال میں اتری ہوئی ہوں اور جس کی شاخیں فضا میں پھیلی ہوئی ہوں۔ یہ جس طرح عقائد پر مبنی ہے اسی طرح احکام و شرائع پر بھی مشتمل ہے اور جس طرح ایک شاداب درخت اپنی جڑوں سے بھی غذا حاصل کرتا ہے اور اپنی شاخوں اور پتوں سے بھی، اسی طرح یہ عقائد کی معرفت اور اعمال کی بجا آوری دونوں سے غذا اور قوت

حاصل کرتا ہے۔ اگر عقائد میں کھوکھلا پن پیدا ہو جائے جب بھی یہ سوکھ جاتا ہے اور اگر اس کی شاخوں کو کوئی روگ لگ جائے جب بھی یہ مضمحل ہو جاتا ہے۔ اس کے صحیح نشوونما کے لیے ضروری ہے کہ اس کی جڑ اور اس کی شاخوں دونوں کی دیکھ بھال ہوتی رہے۔ اس دیکھ بھال سے یہ بڑھتا، پھیلتا اور پھلتا پھولتا ہے اور اس کے مفقود ہو جانے سے وہ گھٹتا، سکڑتا اور مردہ ہو جاتا ہے۔ ہمارے نزدیک قرآن و حدیث دونوں سے یہی حقیقت واضح ہوتی ہے۔ ہمارے فقہاء اور متکلمین میں سے جن لوگوں نے ایمان کے گھٹنے بڑھنے سے انکار کیا ہے ان کی بات کا کوئی صحیح محمل اگر ہو سکتا ہے تو یہ ہو سکتا ہے کہ اس کو قانونی ایمان سے متعلق مانا جائے۔ قانون چونکہ صرف ظاہری حالات سے تعلق رکھتا ہے، باطن اس کی دسترس سے باہر ہے اس وجہ سے اس کی نظر میں ایک مخلص اور ایک منافق کے ایمان میں کوئی فرق نہیں ہوتا لیکن اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ حقیقت کی نگاہ میں بھی دونوں کا ایمان یکساں ہے۔ یہاں اس اجمالی اشارے پر قناعت کیجیے۔ اس پر تفصیلی بحث اپنے محل میں آئے گی۔

كَمَآ اَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْۢ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ ۪ وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَكٰرِهُوْنَ ۝ يُجَادِلُوْنَكَ فِي الْحَقِّ بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ كَاَنَّمَا يُسَاقُوْنَ اِلَى الْمَوْتِ وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ ۝ وَاِذْ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ اِحْدَى الطَّآئِفَتَيْنِ اَنَّهَا لَكُمْ وَتَوَدُّوْنَ اَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُوْنُ لَكُمْ وَيُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِيْنَ ۝ لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ۝ (۵-۸)

کما کے مواقع استعمال

کَمَا عربی زبان میں کَذٰلِکَ، کَمَا، اَیْنَ اور کَمَا بسا اوقات واقعہ کی مماثلت واقعہ سے ظاہر کرنے کے لیے بھی آتے ہیں۔ ایسی صورت میں متعین الفاظ کے اندر ان کا مشبہ اور مشبہ بہ نہیں ہوتا بلکہ بحیثیت مجموعی واقعہ کے اندر ہوتا ہے۔ کَذٰلِکَ بقرہ کی آیت ۱۴۳ میں اسی نوعیت سے آیا ہے۔ امرأ القیس نے اپنے مشہور قصیدہ میں پہلے اپنی ایک سرگزشت عشق بیان کی اس کے بعد کَدَابِکَ من ام الحویرث قبلھا کہہ کر اپنی اسی طرح کی دوسری سرگزشتوں کا ذکر شروع کر دیا کہ اسی طرح کا ماجرا اس کو فلاں اور فلاں کے ساتھ بھی پیش آ چکا ہے۔ بقرہ آیت ۱۵۱ سے اوپر تحویل قبلہ کا ذکر ہوا پھر بدون کسی تقریب و تمہید کے ارشاد ہوا کَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ یہ بھی اسی طرح کا اسلوب بیان ہے یعنی تمہارے قبلہ کو اہل کتاب کے قبلہ سے الگ کر کے خدا نے تم کو ایک علیحدہ امت کی حیثیت سے ممتاز کر دیا۔ اسی طرح کا کَمَا یہ زیر بحث آیت میں بھی ہے۔ اوپر جیسا کہ مذکور ہوا، ان کمزور قسم کے مسلمانوں کے رویہ پر گرفت فرمائی ہے جو بدر میں حاصل شدہ مال غنیمت کی تقسیم پر معترض ہوئے تھے۔ جب ان کی یہ کمزوری زیر بحث آ گئی تو تعلیم و تربیت کا تقاضا یہ ہوا کہ ان لوگوں کی ایک اور کمزوری کی طرف بھی توجہ دلا دی جائے جو اس سے پہلے ان سے اس وقت ظاہر ہوئی جب آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ سے بدر کے لیے نکلنے کا ارادہ فرمایا ہے۔ گویا اس وقت قرآن کی غلطی نظرانداز فرما دی گئی کہ حکمت کا تقاضا یہی تھا لیکن جب اسی طرح کی غلطی ان سے پھر صادر ہوئی تو اس پر گرفت فرمائی گئی اور ساتھ ہی سابق غلطی کی طرف بھی اشارہ فرما دیا گیا کہ لوگ متنبہ ہو جائیں کہ یہ بیماری کہاں سے چلی ہے اور اگر اس کی اصلاح نہ ہوئی تو کہاں تک پہنچ سکتی ہے۔

بدر کے لیے مسلمانوں کا نکلنا ایمائے الٰہی سے ہوا

'اَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْۢ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ'۔ 'اَخْرَجَكَ رَبُّكَ' کے الفاظ اس امر پر نہایت واضح دلیل ہیں کہ بدر کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نکلنا اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہوا تھا۔ آگے آیت ۴۳ میں یہ اشارہ موجود ہے کہ آپؐ کو رویا میں شام کی طرف سے قافلۂ قریش کی واپسی اور مکہ کی طرف سے فوج قریش کی آمد کا مشاہدہ کرا دیا گیا تھا اور حملہ آور فوج کی حقیقت بھی واضح کر دی گئی تھی کہ معنوی اعتبار سے وہ کچھ زیادہ وزنی نہیں ہو گی بلکہ مسلمانوں سے مغلوب ہو جائے گی۔ بلکہ روایات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اسی رویا میں حضورؐ کو قریش کے خاص خاص لیڈروں کے قتل ہونے کی جگہیں بھی دکھا دی گئیں۔ اسی رویا کی ہدایت کے بموجب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نکلے اس وجہ سے اس کو 'اَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْۢ بَيْتِكَ' کے الفاظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ آگے آیت ۴۲ سے یہ بات بھی واضح ہو گی کہ اسی خدائی رہنمائی کی برکت تھی کہ مسلمان بالکل ٹھیک اس وقت قریش کی فوج کے مقابلہ کے لیے بدر کے مقام پر پہنچ گئے جب کہ وادی کے ایک سرے پر ان کی فوج تھی اور نیچے سے قافلہ گزر رہا تھا۔

بدر کے لیے نکلنے کا اصل مقصد

'بِالْحَقِّ' یعنی اللہ تعالیٰ نے نکلنے کا یہ حکم ایک مقصدِ حق کے لیے دیا تھا۔ اس مقصدِ حق کی وضاحت آگے یوں فرما دی ہے یُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِيْنَ (اللہ تعالیٰ اپنے حکموں سے یہ چاہتا ہے کہ حق کا بول بالا کرے اور کافروں کی جڑ کاٹ دے) لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ (تاکہ حق کا بول بالا کرے اور باطل کو نابود کرے مجرموں کے علی الرغم) اس سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نکلنا ابتدا ہی سے اللہ تعالیٰ کے حکم کے تحت ایک مقصدِ حق کے لیے تھا اور وہ مقصدِ حق یہ تھا کہ دین کا بول بالا ہو اور کفر کی جڑ کٹے۔ ظاہر ہے کہ کفر کی جڑ کٹ سکتی تھی تو قریش کی ہزیمت سے کٹ سکتی تھی نہ کہ ان کے کسی تجارتی قافلہ کو لوٹ لینے سے اس وجہ سے سیرت و مغازی کی کتابوں کی وہ روایت قرآن کے الفاظ کے صریحاً خلاف ہے جس میں یہ بیان ہوا ہے کہ نعوذ باللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قریش کے اس تجارتی قافلے پر حملہ کرنا چاہتے تھے جو ابو سفیان کی سرکردگی میں شام سے واپس آ رہا تھا۔

مسلمانوں کے اندر کے ایک کمزور گروہ کی طرف اشارہ

'وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَكٰرِهُوْنَ'۔ 'فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ' سے کمزور قسم کے مسلمانوں کی وہ ٹولی مراد ہے جس کا کردار ابتدائے سورہ ہی سے زیر بحث ہے اور جس نے مال غنیمت سے متعلق بعد میں وہ سوالات بھی اٹھائے جن پر اوپر کی آیات میں تبصرہ ہوا ہے۔ 'فَرِيْقًا' کے لفظ سے یہ بات بھی نکلتی ہے

کہ ان لوگوں کی تعداد کچھ زیادہ نہیں تھی، بس ایک مختصر سی جماعت تھی۔ ان لوگوں نے جب یہ سنا ہوگا کہ کفار کی دو جماعتیں آ رہی ہیں جن میں سے ایک سے مقابلہ درپیش ہے تو یہ بات تو وہ فوراً تاڑ گئے ہوں گے کہ یہ مقابلہ بہر حال فوج سے ہونا ہے نہ کہ تجارتی قافلہ سے اس وجہ سے ان لوگوں پر دہشت طاری ہوئی اور یہ دہشت ان کے اس ضعف اعتماد علی اللہ کا نتیجہ تھی جس کی طرف اوپر آیت ۲ میں اشارہ ہوا ہے۔

کمزوروں کی کمزوری پر گرفت

یُجَادِلُوْنَکَ فِی الْحَقِّ بَعْدَ مَا تَبَیَّنَ کَاَنَّمَا یُسَاقُوْنَ اِلَی الْمَوْتِ وَھُمْ یَنْظُرُوْنَ' لفظ 'مُجَادلۃ' کے معنی یہاں، جیسا کہ ہم دوسرے مقام میں اس کی تحقیق بیان کر چکے ہیں، باصرار و بلطائف الحیل مخاطب سے اپنی بات منوانے کی کوشش کرنے کے ہیں۔ اب یہ وضاحت ہو رہی ہے اس بات کی کہ جب ان کو خطرہ لاحق ہوگا کہ مقابلہ فوج سے درپیش ہے تو اس سے فرار کی انھوں نے کیا راہ نکالنی چاہی۔ انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو باصرار اور بلطائف الحیل اپنی چرب زبانی سے اس رُخ پر لانا چاہا کہ آپ تجارتی قافلے کا قصد کریں۔ بظاہر تو انھوں نے یہ باور کرانے کی کوشش کی ہوگی کہ یہ مشورہ وہ اسلام اور مسلمانوں کی خیر خواہی میں دے رہے ہیں کہ قافلہ کو لوٹ لینے سے قریش کی کمر اقتصادی اعتبار سے ٹوٹ جائے گی اس لیے کہ ان کے سرمایہ کا بڑا حصہ اس قافلے کے ساتھ ہے جس سے مسلمانوں کی موجودہ کمزور مالی حالت کو درست کرنے میں بڑی مدد ملے گی لیکن اس مشورہ کی تہ میں ان کا وہی خوف بیٹھا ہوا تھا جس کو قرآن نے بے نقاب کر دیا ہے کہ گویا وہ موت کی طرف ہنکائے جا رہے ہوں اور وہ موت کو سامنے دیکھ رہے ہوں۔ اس مشورے کا سب سے زیادہ خطرناک پہلو یہ تھا کہ ان پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا منشا، جیسا کہ قرآن کے الفاظ 'بَعْدَ مَا تَبَیَّنَ' سے ثابت ہے، اچھی طرح واضح تھا لیکن اس کے باوجود انھوں نے اپنی بات منوانے کے لیے تمام حربے استعمال کیے۔ ہر چند آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مرحلے تک، جیسا کہ آگے والی آیت میں اشارہ آ رہا ہے، بعض خاص اسباب سے، جن کی تفصیل آگے آئے گی، اپنا منشا واضح الفاظ میں ظاہر نہیں فرمایا تھا لیکن یہ لوگ اتنے غبی نہیں تھے کہ یہ نہ سمجھ سکیں کہ جب ایک طرف تجارتی قافلہ ہے اور دوسری طرف سے فوج آ رہی ہے تو آنحضرتؐ کا یہ نکلنا کس سے نمٹنے کے لیے ہو سکتا ہے۔ یہ لوگ دل کے بودے ضرور تھے لیکن عقل کے اتنے غریب نہیں تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مزاج، اسلام کے مقصد، احقاق حق کے تقاضوں سے اتنے نابلد ہوں کہ یہ موٹی سی بات بھی نہ سمجھ سکیں کہ کسی تجارتی قافلہ کو تاخت و تاراج کرنا ایسا کیا کام ہو سکتا ہے جس کے لیے خدا کا رسول اپنے جاں نثاروں کے ساتھ یوں سر بکف ہو کر نکلے! چنانچہ آگے تفصیل آئے گی کہ نہ مہاجرین کے لیڈروں کو آنحضرتؐ کا منشا سمجھنے میں کوئی اشتباہ پیش آیا نہ انصار کے جاں نثاروں کو۔ سب نے پہلے ہی مرحلے میں تاڑ لیا کہ حضورؐ کا منشا کیا ہے اور اس منشا کی تکمیل کے لیے وہ سربکف ہو گئے۔ صرف ایک گروہ موت کے ڈر سے آخر وقت تک سخن سازی کرتا رہا اس وجہ سے اس کا رویہ قرآن میں زیر بحث آیا تاکہ آئندہ کے

مراحل میں مسلمان ان داخلی فتنوں سے ہوشیار رہیں۔

وَاِذْ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ اِحْدَى الطَّآئِفَتَيْنِ اَنَّهَا لَكُمْ وَتَوَدُّوْنَ اَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُوْنُ لَكُمْ۔

جماعت کے حوصلہ کا اندازہ کرنے کے لیے ایک حکیمانہ طریقہ

وَاِذْ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ اِحْدَى الطَّآئِفَتَيْنِ اَنَّهَا لَكُمْ کے اسلوب بیان میں جو ابہام ہے وہ اس حقیقت کے اظہار کے لیے ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نکلتے وقت انصار و مہاجرین سے جب اس مہم کے باب میں استمزاج فرمایا تو بات کھل کر یوں نہیں فرمائی کہ تجارتی قافلہ کی حفاظت کا بہانہ بنا کر قریش نے ہم پر حملہ کرنے کے لیے اپنی فوج بھیج دی ہے بلکہ مبہم انداز میں یوں فرمایا کہ کفار کی دو جماعتیں آرہی ہیں جن میں سے ایک کو اللہ تعالیٰ ہمارے قابو میں کر دے گا۔ یہ مبہم انداز بیان حضورؐ نے کیوں ارشاد فرمایا؟ ہمارے نزدیک اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک اہم مہم پر روانہ ہونے سے پہلے حضورؐ نے چاہا کہ ہر گروہ کا جائزہ لے لیا جائے کہ کون کتنے پانی میں ہے۔ ظاہر ہے کہ حضورؐ اگر مسئلہ کو بالکل دو ٹوک انداز میں لوگوں کے سامنے رکھ دیتے تو مخلص و منافق سب کو آمنا و صدقنا کہتے ہی بن پڑتی۔ پھر نہ تو کسی کو اس سے اختلاف کی جرأت ہوتی اور نہ کسی کی کمزوری ظاہر ہو سکتی۔ یاد ہوگا، یہی طریقہ آپ نے جنگ احد کے موقع پر بھی اختیار فرمایا۔ اس وقت آپ نے لوگوں کے سامنے یہ سوال رکھا کہ جنگ شہر سے باہر نکل کر کی جائے یا شہر میں محصور ہو کر اور خود اپنی رائے ظاہر نہیں فرمائی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ جاں نثاروں نے شہر سے باہر نکل کر جنگ کرنے کی رائے دی اور کمزور قسم کے لوگوں نے شہر میں محصور ہو کر۔ اس طرح آپ کو جماعت کے قوی و ضعیف اور مخلص و منافق سب کا جائزہ لینے کا موقع مل گیا[1]۔ اسی حکمت و مصلحت سے حضورؐ نے اس موقع پر بھی بات مبہم انداز میں فرمائی کہ لوگوں کے جواب سے اندازہ ہو جائے کہ کون کس طرز پر سوچ رہا ہے چنانچہ پہلے آپ نے مہاجرین کا عندیہ معلوم کرنا چاہا۔ وہ صاف سمجھ گئے کہ حضورؐ کا منشا کیا ہے۔ چنانچہ ان میں سے مقداد بن عمروؓ نے اٹھ کر ایک ایسی تقریر کی جس کی گونج اسلام کی تاریخ میں ہمیشہ باقی رہے گی۔ انہوں نے فرمایا:

"اے اللہ کے رسول! اللہ نے آپ کو جس بات کا حکم دیا ہے آپ اس کے لیے اقدام کیجیے۔ آپ جہاں کے لیے نکلیں گے ہم آپ کے ہم رکاب ہیں۔ ہم آپ سے وہ بات کہنے والے نہیں ہیں جو بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰؑ سے کہی تھی کہ تم اور تمہارا رب دونوں جا کر لڑو ہم تو یہاں بیٹھتے ہیں بلکہ ہمارا قول یہ ہے کہ آپ اور آپ کا رب دونوں جنگ کے لیے نکلیں، جب تک کہ ایک آنکھ بھی ہم میں گردش کرتی ہے ہم سر کٹانے کے لیے حاضر ہیں۔"

کیا یہ تصور بھی کیا جا سکتا ہے کہ ان الفاظ میں جن لوگوں کی ترجمانی کی گئی ہے ان کے کسی فرد میں بھی کسی

---

[1] اس مسئلہ پر تفصیلی بحث آل عمران کی تفسیر میں گزر چکی ہے۔

تجارتی قافلے پر حملے کا کوئی موہوم وسوسہ بھی ہو سکتا ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین کی طرف سے اطمینان کر لینے کے بعد اپنے وہی الفاظ جو اوپر مذکور ہوئے پھر دہرائے۔ انصار سمجھ گئے کہ اب حضورؐ ہمارا عندیہ معلوم کرنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ انصار کے لیڈر سعد بن معاذؓ اٹھے اور انھوں نے عرض کیا کہ حضور کا روئے سخن ہماری طرف ہے؟ پھر انھوں نے وہ تقریر کی جس کا ایک ایک لفظ میدان جہاد کا رجز ہے اور جس کی حرارت ایمانی ۱۴ سو سال گزرنے پر بھی ٹھنڈی نہیں پڑی ہے۔ انھوں نے فرمایا۔

"ہم آپ پر ایمان لائے ہیں اور ہم نے آپ کی تصدیق کی ہے۔ ہم اس بات کے گواہ ہیں کہ جو دین آپ لے کر آئے ہیں وہی حق ہے۔ ہم نے آپ سے سمع و طاعت کا عہد و میثاق کیا ہے۔ پس اے اللہ کے رسول، آپ نے جو ارادہ فرمایا ہے وہ پورا کیجیے۔ اس خدا کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے اگر آپ ہمیں اس سمندر کے کنارے لے جا کر اس میں کود پڑیں گے تو آپ کے ساتھ ہم بھی اس میں کود پڑیں گے اور ایک شخص بھی ہم میں سے پیچھے رہنے والا نہیں ہوگا۔ ہم اس بات سے نہیں گھبراتے کہ کل آپ ہمیں ہمارے دشمنوں کے مقابلہ کے لیے لے جا کھڑا کریں۔ ہم جنگ میں ثابت قدم رہیں گے۔ مقابلہ کے وقت ہم راست باز ثابت ہوں گے اور کیا عجب کہ اللہ ہمارے ہاتھوں وہ کچھ دکھائے جس سے آپ کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں تو اللہ کا نام لے کر آپ ہمیں ہم رکابی کا شرف بخشیے۔"

غور کیجیے کہ کیا یہ تقریریں ان لوگوں کی ہو سکتی ہیں جو ایک غیر مسلح قافلہ پر، جس کی جمعیت شاید کل چالیس آدمیوں پر منحصر تھی، حملہ کی سکیمیں سوچ رہے ہوں اور پھر اس امر پر غور کیجیے کہ کیا لفظ لفظ سے یہ بات واضح نہیں ہو رہی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سوال کے اس ابہام کے باوجود، جس کی طرف ہم نے اشارہ کیا، انصار و مہاجرین دونوں گروہوں پر یہ بات سورج کی طرح روشن تھی کہ آپؐ کا منشا کیا ہے اور آپؐ کا رخ کدھر کو ہے۔ البتہ ایک گروہ، جیسا کہ قرآن کے الفاظ سے واضح ہے، ضعیف الایمانوں کا ایسا تھا جو حقیقت کی وضاحت کے باوجود محض اپنی بزدلی کے سبب سے یہ چاہتا تھا کہ حملہ قافلہ پر کیا جائے جو غیر مسلح ہے تاکہ خطرہ کوئی نہ پیش آئے اور لقمہ تر ہاتھ آئے۔ انہی کو مخاطب کر کے فرمایا کہ تَوَدُّوْنَ اَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُوْنُ لَكُمْ (تم چاہتے تھے کہ غیر مسلح گروہ تمہارا لقمہ بنے)۔ شوک اور شوکۃ عربی میں کانٹے کو کہتے ہیں یہیں سے لفظ شوکۃ ہتھیار اور پھر قوت اور دبدبہ کے معنی میں استعمال ہوا۔ چونکہ تجارتی قافلہ غیر مسلح تھا اس وجہ سے اس کے لیے غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ کا لفظ استعمال ہوا۔

خدائی احکام کا منشا سمجھنے کے لیے ایک عقلی کسوٹی

وَيُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِيْنَ۔ اب یہ اللہ کے ارادے اور منشا کو سمجھنے اور جانچنے کے لیے ایک عقلی اور فطری معیار بتایا گیا ہے کہ اللہ کا ہر حکم اور ارادہ

احقاقِ حق اور ابطالِ باطل کے مقصد کے لیے ہوتا ہے اس وجہ سے اس کی باتوں کا منشا، اگرچہ وہ مجمل ہوں، معین کرنے میں اس اصول کو نظر انداز کرنا جائز نہیں ہے۔ جن لوگوں نے قافلہ پر حملہ کرنے کا ارمان کیا انھوں نے اس بات کا خیال نہ کیا کہ خدا ایک ایسی بات کیسے چاہ سکتا ہے جس سے نہ حق کا بول بالا ہو نہ کفر اور اہلِ کفر کی جڑ کٹے۔ 'کلمات' کا لفظ، جیسا کہ ہم سورۂ بقرہ کی تفسیر میں تصریح کر چکے ہیں، ایک قسم کے ابہام کا حامل ہے۔ چونکہ اس موقع پر بات، جیسا کہ ہم اوپر وضاحت کر چکے ہیں، لوگوں کے سامنے مبہم طور پر رکھی گئی تھی اس وجہ سے قرآن نے اس کو 'کلمات' کے لفظ سے تعبیر فرمایا ہے۔ جن باتوں کے اندر کوئی اجمال وابہام ہوتا ہے درحقیقت وہی باتیں ہوتی ہیں جن کے منشا کے تعین کا کام دشوار ہوتا ہے۔ ایسے مواقع میں اہلِ ایمان کی روش یہ ہونی چاہیے کہ بات کا وہ پہلو اختیار کریں جو اللہ تعالیٰ کی صفات اور اس کی شان سے موافقت رکھنے والا ہو نہ کہ ان کے منافی۔ 'یَقْطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِیْنَ' کے الفاظ سے قرآن نے اس حقیقت کی طرف بھی اشارہ کر دیا کہ سارے کفر کی جڑ تو قریش کی جمعیت تھی، کاٹنے کی چیز تھی تو وہ تھی اور اللہ چاہ سکتا تھا تو اس کا کاٹنا چاہ سکتا تھا لیکن ایک گروہ نے تجارتی قافلہ ہی پر وار کر کے تیس مار خاں بننے کی کوشش کی۔

'لِیُحِقَّ الْحَقَّ وَیُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ'، یہ ٹکڑا 'یَقْطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِیْنَ' کی غایت واضح کر رہا ہے کہ اللہ نے ان کافروں کی جڑ کاٹنے کا جو ارادہ فرمایا ہے تو اس کا مقصد حق کا بول بالا کرنا اور باطل کو مٹانا ہے۔ خدا کو کسی سے پرخاش نہیں ہے البتہ احقاقِ حق اور ابطالِ باطل اس کی صفات کا مقتضیٰ ہے اور اس کا فیصلہ اب خدا نے فرما لیا ہے اور یہ کام ہو کر رہے گا اور ان مجرموں کے علی الرغم ہو کر رہے گا۔

قرآنی اشارات کی روشنی میں غزوۂ بدر کی اصل تصویر

اوپر قرآن نے جو اشارات کیے ہیں ان کی روشنی میں غزوہ بدر کی جو تصویر سامنے آتی ہے وہ اس سے بالکل مختلف ہے جو سیرت و مغازی کی کتابوں میں پیش کی گئی ہے اور جس میں رنگ آمیزی کر کے مستشرقین نے اس کو اور زیادہ بھیانک شکل دے دی ہے۔

قرآن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یا مسلمانوں کے ذہن میں قریش کے قافلۂ تجارت سے تعرض کرنے کا کوئی خیال موجود نہیں تھا۔ مدینہ پر حملہ کی ساری اسکیم قریش نے بنائی اور اس کے لیے قافلۂ تجارت کی حفاظت کا بہانہ تراشا۔ قریش مدینہ میں مسلمانوں کے جڑ پکڑنے سے بہت خائف تھے۔ مذہبی عناد کے علاوہ انہیں یہ بھی اندیشہ تھا کہ اب مکہ اور شام کی تجارتی شاہراہ ان کے لیے محفوظ نہیں رہ گئی ہے۔ اس وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے بعد ہی وہ اس فکر میں تھے کہ کوئی عذر تلاش کر کے مسلمانوں کو ایک قوت بننے سے پہلے ہی ختم کر دیں۔ اب یا تو قافلۂ تجارت کے سالار ابوسفیان نے واپسی کے موقع پر کوئی وہمی خطرہ مسلمانوں کے حملے کا محسوس کیا ہو کہ آدمی بھیج کر قریش کو حملہ کی خبر بھیج

دی یا اس کے لیے بھی پہلے سے قریش کے لیڈروں میں کوئی سازش رہی ہو۔ بہر حال ابوسفیان کی اطلاع پر مکہ سے ایک بھاری بھرکم لشکر مدینہ کے لیے روانہ ہوگیا۔ یہ مرحلہ ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو رویا کے ذریعے سے یہ اطلاع ہوتی ہے کہ قریش کی دو جماعتیں آرہی ہیں جن میں سے ایک سے مسلمانوں کا مقابلہ ہوتا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بعد مدینہ سے بدر کے لیے نکلنے کا ارادہ فرمایا اور مسلمانوں کے حوصلہ کا اندازہ کرنے کے لیے صورتِ حال مبہم انداز میں ان کے سامنے رکھی کہ کفار کی دو جماعتیں آرہی ہیں جن میں سے ایک سے ہمارا مقابلہ ہوگا۔ اور وہ ہم سے شکست کھائے گی۔ مسئلہ کے سامنے آتے ہی مہاجرین و انصار سب سمجھ گئے کہ قریش کی فوج آرہی ہے اور اس سے معاملہ درپیش ہے۔ چنانچہ ان کے لیڈروں نے پورے جوش و خروش کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی وفاداری اور اسلام کے لیے اپنی جاں نثاری کا یقین دلایا۔ البتہ ایک مختصر سی ٹولی ان میں ایسی بھی تھی جس نے اپنا زور اس بات کے لیے لگایا کہ قریش کی فوج کے بجائے قافلۂ تجارت کا رخ کیا جائے تاکہ بغیر ایک قطرۂ خون بہائے بھاری غنیمت ہاتھ آجائے۔ اسی گروہ کو بے نقاب کرنے کے لیے حضورؐ نے اپنی بات مبہم انداز میں پیش کی تھی تاکہ جن لوگوں کے اندر کوئی کمزوری چھپی ہوئی ہے وہ اپنی کمزوری ظاہر کردیں اور مخلص و منافق میں مرحلۂ جنگ پیش آنے سے پہلے ہی امتیاز ہو جائے۔

آگے اسی سورہ کی بعض آیات کی روشنی میں ہم انشاء اللہ یہ بھی دکھائیں گے کہ اس جنگ کے لیے یہود نے بھی قریش کی پیٹھ ٹھونکی تھی لیکن میدانِ جنگ کا نقشہ دیکھ کر وہ اپنی عادت کے مطابق دبک گئے۔

۲۔ آگے کا مضمون ——— آیات ۹-۱۹

آگے اللہ تعالیٰ نے اپنی ان غیبی تائیدات کا حوالہ دیا ہے جو اس موقع پر مسلمانوں کی مدد اور ان کی حوصلہ افزائی کے لیے ظاہر ہوئیں تاکہ اللہ تعالیٰ کے وعدوں اور اسلام کے مستقبل پر ان کا ایمان و اعتماد مضبوط ہو۔ اوپر کے ٹکڑے میں جن کمزور لوگوں کا ذکر آیا تھا ظاہر ہے کہ وہ مسلمانوں کی جماعتی اصلاح ہی کے نقطۂ نظر سے آیا تھا، اب گویا اسی مقصد کے تحت ان باتوں کی یاد دہانی کی جارہی ہے جن کی یادداشت آگے کے مراحل میں کام آنے والی تھی۔ مسلمانوں کی حوصلہ افزائی کے ساتھ ساتھ کفار قریش کو بھی مخاطب کر کے تنبیہ کردی گئی کہ یہ چپت جو تمھیں لگی ہے یہ تو تمہید ہے، تمھاری روش اگر یہی رہی تو آگے اس سے سخت دنوں کا انتظار کرو، تم نے اس جنگ کے نتیجے کو حق و باطل کا معیار ٹھہرایا تھا تو اس کا نتیجہ تمھارے سامنے آگیا، اب بھی تمھاری آنکھیں نہ کھلیں، تم نے پھر

شرارت کی تو یاد رکھو ہم کہیں چلے نہیں گئے ہیں، کثرت تعداد و وسائل کا سارا گھمنڈ دھرا رہ جائے گا اور تم پھر منہ کی کھاؤ گے، اہل ایمان کے پہلو پر ہم ہیں۔ اس روشنی میں آیات کی تلاوت فرمایئے۔

آیات ۹-۱۹

إِذْ تَسْتَغِيثُونَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ أَنِّي مُمِدُّكُم بِأَلْفٍ مِّنَ الْمَلَائِكَةِ مُرْدِفِينَ ﴿٩﴾ وَمَا جَعَلَهُ اللَّهُ إِلَّا بُشْرَىٰ وَلِتَطْمَئِنَّ بِهِ قُلُوبُكُمْ ۚ وَمَا النَّصْرُ إِلَّا مِنْ عِندِ اللَّهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿١٠﴾ إِذْ يُغَشِّيكُمُ النُّعَاسَ أَمَنَةً مِّنْهُ وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُم مِّنَ السَّمَاءِ مَاءً لِّيُطَهِّرَكُم بِهِ وَيُذْهِبَ عَنكُمْ رِجْزَ الشَّيْطَانِ وَلِيَرْبِطَ عَلَىٰ قُلُوبِكُمْ وَيُثَبِّتَ بِهِ الْأَقْدَامَ ﴿١١﴾ إِذْ يُوحِي رَبُّكَ إِلَى الْمَلَائِكَةِ أَنِّي مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِينَ آمَنُوا ۚ سَأُلْقِي فِي قُلُوبِ الَّذِينَ كَفَرُوا الرُّعْبَ فَاضْرِبُوا فَوْقَ الْأَعْنَاقِ وَاضْرِبُوا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ ﴿١٢﴾ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ شَاقُّوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ ۚ وَمَن يُشَاقِقِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَإِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ﴿١٣﴾ ذَٰلِكُمْ فَذُوقُوهُ وَأَنَّ لِلْكَافِرِينَ عَذَابَ النَّارِ ﴿١٤﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا لَقِيتُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا زَحْفًا فَلَا تُوَلُّوهُمُ الْأَدْبَارَ ﴿١٥﴾ وَمَن يُوَلِّهِمْ يَوْمَئِذٍ دُبُرَهُ إِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ أَوْ مُتَحَيِّزًا إِلَىٰ فِئَةٍ فَقَدْ بَاءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللَّهِ وَمَأْوَاهُ جَهَنَّمُ ۖ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ ﴿١٦﴾ فَلَمْ تَقْتُلُوهُمْ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ قَتَلَهُمْ ۚ وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ رَمَىٰ ۚ وَلِيُبْلِيَ الْمُؤْمِنِينَ مِنْهُ بَلَاءً حَسَنًا ۚ إِنَّ اللَّهَ

ع ۱۰ / ۱۵

سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿١٧﴾ ذٰلِكُمْ وَأَنَّ اللّٰهَ مُوهِنُ كَيْدِ الْكٰفِرِينَ ﴿١٨﴾ إِنْ تَسْتَفْتِحُوا فَقَدْ جَاءَكُمُ الْفَتْحُ ۖ وَإِنْ تَنْتَهُوا فَهُوَ خَيْرٌ لَكُمْ ۖ وَإِنْ تَعُودُوا نَعُدْ ۚ وَلَنْ تُغْنِيَ عَنْكُمْ فِئَتُكُمْ شَيْئًا وَلَوْ كَثُرَتْ ۙ وَأَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿١٩﴾

ع ۹
۱۶

ترجمہ آیات
۹ - ۱۹

اور یاد کرو جب کہ تم اپنے رب سے فریاد کر رہے تھے تو اس نے تمہاری فریاد سنی کہ میں ایک ہزار فرشتے تمہاری کمک پر بھیجنے والا ہوں جن کے پرے کے بعد پرے نمودار ہوں گے اور یہ صرف اس لیے کیا کہ تمہارے لیے خوش خبری ہو اور اس سے تمہارے دل مطمئن ہوں اور مدد تو خدا ہی کے پاس سے آتی ہے۔ بے شک اللہ عزیز و حکیم ہے۔ یاد کرو جب کہ وہ تم کو چین دینے کے لیے اپنی طرف سے تم پر نیند طاری کر دیتا ہے اور تم پر آسمان سے پانی برسا دیتا ہے تاکہ اس سے تم کو پاکیزگی بخشے اور تم سے شیطان کے وسوسے کو دفع کرے اور تاکہ اس سے تمہارے دلوں کو مضبوط کرے اور قدموں کو جمائے۔ یاد کرو جب تمہارا رب فرشتوں کو وحی کرتا ہے کہ میں تمہارے ساتھ ہوں تو تم ایمان والوں کو جمائے رکھو۔ میں کافروں کے دلوں میں رعب ڈال دوں گا تو مارو ان کی گردنوں پر اور مارو ان کے پور پور پر۔ یہ اس سبب سے کہ یہ اللہ اور اس کے رسول کے مقابلہ کو اٹھے ہیں اور جو اللہ و رسول کے مقابلہ کو اٹھتے ہیں تو اللہ ان کے لیے سخت پاداش والا ہے۔ سو یہ تو نقد چکھو اور کافروں کے لیے دوزخ کا عذاب ہے۔ ۹ - ۱۴

اے ایمان والو، جب تمہارا کفار سے مقابلہ ہو فوج کشی کی صورت میں تو ان

کو پیٹھ نہ دکھائی ہو اور جو ان کو اس وقت پیٹھ دکھائے گا، بجز اس کے کہ جنگ کے لیے پینترا بدلنا چاہتا ہو یا کسی جماعت کی طرف سمٹ رہا ہو، تو وہ اللہ کا غضب لے کر لوٹا، اس کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ نہایت ہی برا ٹھکانا ہے۔ پس تم لوگوں نے ان کو قتل نہیں کیا بلکہ اللہ نے ان کو قتل کیا اور جب تو نے ان پر خاک پھینکی تو تم نے نہیں پھینکی بلکہ اللہ نے پھینکی کہ اللہ اپنی شانیں دکھائے اور اپنی طرف سے اہل ایمان کے جوہر نمایاں کرے۔ بے شک اللہ سننے والا جاننے والا ہے۔ یہ جو کچھ ہوا سامنے ہے اور اللہ کافروں کے سارے داؤں بے کار کر کے رہے گا۔ اگر تم فیصلہ چاہتے ہو تو تمھارے سامنے فیصلہ آگیا اور اگر تم باز آجاؤ تو یہ تمھارے حق میں بہتر ہے اور اگر تم پھر یہی کرو گے تو ہم بھی یہی کریں گے اور تمھاری جمعیت تمھارے کچھ کام نہ آئے گی خواہ کتنی ہی زیادہ ہو اور بے شک اللہ مومنین کے ساتھ ہے۔ ۱۵-۱۹

۲- الفاظ کی تحقیق اور آیات کی وضاحت

إِذْ تَسْتَغِيثُونَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ أَنِّي مُمِدُّكُم بِأَلْفٍ مِّنَ الْمَلَائِكَةِ مُرْدِفِينَ ۝ وَمَا جَعَلَهُ اللَّهُ إِلَّا بُشْرَىٰ وَلِتَطْمَئِنَّ بِهِ قُلُوبُكُمْ ۚ وَمَا النَّصْرُ إِلَّا مِنْ عِندِ اللَّهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ (۹-۱۰)

غزوۂ بدر میں تائیدات الٰہی — اس سلسلہ کی پہلی تائید الٰہی

'أَنِّي مُمِدُّكُمْ' 'فَاسْتَجَابَ لَكُمْ' کی تفصیل ہے اور فاعل کا صیغہ اللہ تعالیٰ کے وعدے کی قطعیت کے اظہار کے لیے ہے۔ 'اِرْدَاف' کے معنی 'توالی' یعنی یکے بعد دیگرے ظاہر ہونے کے ہیں۔ یہ اس سب سے پہلی تائید الٰہی کا بیان ہے جو اس موقع پر ظاہر ہوئی۔ مسلمانوں کی تعداد اس جنگ میں بہت تھوڑی تھی یعنی کل ۳۱۳ اور وہ بے سروسامان بھی تھے۔ ادھر کفار ایک ہزار کے قریب تھے اور ہر قسم کے اسلحہ سے لیس اور سروسامان سے بھرپور۔ ایسے حالات میں مسلمانوں کو واحد سہارا خدا کی تائید ہی کا ہو سکتا تھا چنانچہ ایک ایک شخص سراپا عجز و نیاز اور یکسر دعا و فریاد بنا ہوا تھا۔ ان دعاؤں کی نوعیت

کا اندازہ کرنے کے لیے خود سرورِ عالم کی اس دعا کو پڑھ لینا کافی ہے جس کے الفاظ احادیث میں وارد ہوئے ہیں۔ ظاہر ہے کہ جب ۳۱۳ مسلمانوں نے اپنے دل نکال کر اپنے رب کے سامنے رکھ دیے ہوں گے تو یہ دعائیں قبولیت سے کیسے محروم رہ سکتی تھیں۔ چنانچہ یہ قبول ہوئیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ بشارت نازل ہوئی کہ تم ہراساں نہ ہو، میں تمھاری کمک کے لیے ہزار فرشتے نازل کرنے والا ہوں۔ مطلب یہ کہ تم ہزار کافروں کی کیا پروا کرتے ہو، تمھارے جلو میں تو ہزار فرشتے ہوں گے۔ ان فرشتوں کے ظہور کی شکل یہ بتائی کہ ان کے دستے کے بعد دستے اور پرے کے بعد پرے نمایاں ہوں گے۔ میدانِ جنگ میں لڑنے والوں کی یہ سائیکالوجی ملحوظ رہے کہ جن کی حمایت میں کمک کے بعد کمک آرہی ہو ان کا حوصلہ ہر کمک پر دونا ہوتا ہے اور اسی اعتبار سے حریف کے اعصاب ڈھیلے پڑتے جاتے ہیں۔ یہ مضمون آلِ عمران کی آیات ۱۲۵-۱۲۶ میں بھی گزر چکا ہے۔ ایک نظر اس پر بھی ڈال لیجیے۔

اہلِ ایمان کے لیے ابدی بشارت

وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى وَلِتَطْمَئِنَّ بِهٖ قُلُوْبُكُمْ ۚ ضمیرِ مفعول کا مرجع وہی وعدۂ نصرت ہے جو اوپر مذکور ہوا۔ مطلب یہ ہے کہ اس موقع پر تمھارے رب نے یہ صریح الفاظ میں تمھاری مدد کا پہلے سے جو وعدہ فرمایا تو محض اس لیے کہ تم ہراساں تھے، تمھاری ڈھارس بندھ جائے اور تمھارے دل مطمئن ہو جائیں۔ اس سے یہ نہ سمجھنا کہ خدا کی یہ مدد اسی موقع کے ساتھ مخصوص ہے بلکہ جب بھی اللہ کے مومن بندے اس کی راہ میں جہاد کے لیے نکلیں گے اور ایمان و اخلاص کے ساتھ اس سے طالبِ مدد ہوں گے، وہ ان کی مدد فرمائے گا خواہ اس مدد کے لیے پہلے سے ان کو بشارت ملی ہو یا نہ ملی ہو۔ اس وضاحت کی ضرورت اس وجہ سے تھی کہ صریح الفاظ میں برسرِ موقع وعدۂ نصرت تو نبی کے ذریعہ ہی سے اور اس کی موجودگی ہی میں ہو سکتا ہے تو نبی کی غیر موجودگی میں یا اس کے زمانہ کے بعد کے لوگ کس طرح اطمینانِ قلب حاصل کر سکتے تھے۔ اس شبہ کے ازالے کے لیے یہ فرمایا کہ یہ وعدہ اسی موقع کے لیے نہیں تھا بلکہ اہلِ ایمان کے لیے ابدی ہے۔

کم سوادوں کی بے بصیرتی

وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۔ اس لیے کہ مدد تو جب بھی آتی ہے یا آئے گی اللہ ہی کے پاس سے آتی ہے یا آئے گی۔ پس خدا پر بھروسہ کرنے والے ہمیشہ خدا پر بھروسہ کریں وہ ہمیشہ ان کی مدد فرمائے گا۔ خدا عزیز اور غالب ہے، کسی کی مجال نہیں کہ اس کے ہاتھ پکڑ سکے لیکن ساتھ ہی وہ حکیم بھی ہے اس وجہ سے اگر کبھی اہلِ ایمان کو کوئی افتاد پیش آجاتی ہے تو اس میں بھی کوئی حکمت کارفرما اور اس کی تہ میں بھی بندوں ہی کی کوئی مصلحت مضمر ہوتی ہے۔ یہ مضمون سورۂ آلِ عمران میں احد کی شکست کے اسباب کے ذیل میں تفصیل سے بیان ہو چکا ہے۔

اس زمانے کے بعض کم سوادوں نے اس آیت سے یہ نتیجہ نکالا کہ فرشتوں کی فوج اتارنے کا وعدہ محض مسلمانوں کو ذرا بڑھاوا دینے کے لیے تھا تاکہ وہ ہمت کر کے کفار سے بھڑ جائیں۔ ان کے

خیال میں قرآن نے جنگ کے بعد خود یہ راز کھول دیا کہ یہ بات محض تمھاری تسلی کے لیے کہہ دی گئی تھی،
اس کی حقیقت کچھ نہیں تھی۔ گویا نعوذ باللہ پہلے تو اللہ میاں نے مسلمانوں کو چکمہ دیا اور پھر خود ہی
اپنا بھانڈا پھوڑ دیا کہ اب کے تو میں نے تم کو چکمہ دے کر لڑا دیا، آئندہ میرے بھرے میں نہ آنا، فرشتوں
ورشتوں کی بات محض ایک بھڑ ہی تھی۔ شاید یہ حضرات اللہ میاں کو اپنے برابر بھی عقلمند نہیں سمجھتے۔

اِذْ یُغَشِّیْكُمُ النُّعَاسَ اَمَنَةً مِّنْهُ وَیُنَزِّلُ عَلَیْكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً لِّیُطَهِّرَكُمْ بِهٖ وَ
یُذْهِبَ عَنْكُمْ رِجْزَ الشَّیْطٰنِ وَلِیَرْبِطَ عَلٰی قُلُوْبِكُمْ وَیُثَبِّتَ بِهِ الْاَقْدَامَ (۱۱)

اس سلسلہ کی دوسری تائید الٰہی نیند کے ذریعے تائید

'اِذْ یُغَشِّیْكُمُ النُّعَاسَ اَمَنَةً مِّنْهُ' یہ اس جنگ کے سلسلہ کی دوسری تائید الٰہی کا بیان ہے اور ذکر اس شب کا ہے جس کی صبح کو جنگ واقع ہوئی۔ تصویر حال کے مقصد سے صیغہ مضارع کا استعمال ہوا ہے جس کا استعمال تصویر حال کے لیے معروف ہے۔ فرمایا کہ یہ بات بھی خاص اللہ کی طرف سے ہوئی کہ شب میں اس نے تم پر نیند طاری کر دی کہ تمھارے اعصاب و دماغ کو سکون مل گیا اور تم صبح کو جنگ کے لیے چاق و چوبند ہو گئے۔ اس نیند کو اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف منسوب فرمایا ہے اس لیے کہ عین میدانِ جنگ میں ان لوگوں کا جن کی مٹھی بھر جماعت کو صبح ایک دل بادل فوج سے لڑنا ہے تھوڑا سا سو لینا بھی فی الواقع خدا کی تائید ہی کا مظہر ہے۔ نیند تو تھوڑی سی پریشانی سے بھی اچاٹ ہو جاتی ہے چہ جائیکہ ایک ایسی پریشانی میں جیسی کہ اس موقع پر مسلمانوں کو لاحق رہی ہوگی لیکن جن کو خدا کی طمانیت بخشیوں کی تھپکیاں حاصل ہوں وہ تختہ دار پر بھی سو سکتے ہیں۔ چنانچہ شب میں مسلمان سو لیے اور اس سے ان کے اعصاب اور دل و دماغ کو اتنا سکون حاصل ہو گیا کہ وہ جنگ کے لیے تازہ دم ہو گئے۔ سورۂ آلِ عمران کی آیت ۱۵۴ کے تحت ہم لکھ آئے ہیں کہ میدانِ جنگ میں فوج کے لیے سو لینے کا موقع مل جانا ہی اول تو بڑی نعمت ہے لیکن اس سے بڑی نعمت اس موقع سے صحیح فائدہ اٹھا سکنا ہے اس لیے کہ نیند کے لیے موقع مل جانا ہی کافی نہیں ہے بلکہ اس کا اصلی انحصار دل و دماغ کی حالت پر ہے اور یہ چیز ہر ایک کو حاصل نہیں ہوتی، انہی ہی کو حاصل ہوتی ہے جن پر خدائے مقلب القلوب اپنے فضل خاص سے یہ سکینت طاری کر دے۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ

عام طور پر لوگوں نے یہ سمجھا ہے کہ اونگھ کی یہ حالت مسلمانوں پر عین اس وقت طاری ہوئی جب زور و شور کا معرکہ گرم تھا اور حالت یہ ہوئی کہ لوگوں کے ہاتھوں سے تلواریں چھوٹ چھوٹ کر گری پڑتی تھیں۔ لیکن یہ بات کسی طرح سمجھ میں نہیں آتی۔ اول تو یہی بات بڑی عجیب سی ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک ایسی حالت کو اپنے انعام کے طور پر گنائے جس کا فائدہ سرتاسر کفار کے حق میں جاتا ہے۔ ان کے لیے اس سے بڑھ کر اور کیا تائید ہو سکتی تھی کہ مسلمان عین لڑائی کے وقت اونگھنے لگ جائیں خواہ وہ کتنے ہی قلیل وقت کے لیے ہو۔ دوسرے یہ بات قرآن کے صریح الفاظ کے بھی بالکل خلاف ہے۔ اس

طرح کی نیند کا ذکر قرآن میں دو جگہ آیا ہے۔ ایک آل عمران آیت ۱۵۴ میں، دوسرے یہاں۔ آل عمران کے الفاظ یہ ہیں۔ ثُمَّ اَنْزَلَ عَلَیْکُمْ مِّنْ بَعْدِ الْغَمِّ اَمَنَۃً نُّعَاسًا یَّغْشٰی طَآئِفَۃً مِّنْکُمْ وَطَآئِفَۃٌ قَدْ اَھَمَّتْھُمْ اَنْفُسُھُمْ (پھر اللہ نے تم پر غم کے بعد سکون اتارا یعنی نیند جس نے تم میں سے ایک گروہ کو ڈھانک لیا اور ایک گروہ کو اپنی جانوں کی پڑی رہی) اس آیت میں ظاہر ہے کہ غم سے وہی غم مراد ہے جو مسلمانوں کو احد کی شکست سے پیش آیا تو جب نیند کے اتارے جانے کا واقعہ اس غم کے پیش آنے کے بعد پیش آیا تو اس کا تعلق وقت جنگ سے کیسے ہو سکتا ہے، یہ تو لازماً جنگ کے ختم ہو جانے کے بعد ہی کا واقعہ ہو سکتا ہے۔ اس نیند کے موقع اور اسکی اہمیت کی تفصیل ہم آل عمران کی تفسیر میں کر چکے ہیں۔

انفال کی زیر بحث آیت میں اس نیند کا ذکر ان تائیدات کے بیان کے ذیل میں ہوا ہے جو بالفعل جنگ شروع ہونے سے پہلے ظہور میں آئی ہیں۔ اس کے اوپر آپ نے دیکھا کہ فرشتوں کی فوج اتار جانے کی بشارت کا حوالہ ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ بشارت جنگ سے پہلے دی گئی ہے۔ بعد کی آیت میں بارش کے نزول کا ذکر ہے، ہر شخص جانتا ہے کہ یہ واقعہ بھی جنگ سے پہلے ہوا ہے۔ پھر ان دونوں کے بیچ میں ایک ایسی بات کیسے آسکتی ہے جس کا تعلق معرکۂ کارزار سے ہو؟ قرآن نے اپنی ترتیب بیان ہی سے واقعہ کا موقع و محل نہایت خوبی سے واضح کر دیا ہے لیکن آفت یہ ہے کہ لوگ قرآن پر غور ہی نہیں کرتے۔

ممکن ہے یہاں کسی کو یہ شبہ پیدا ہو کہ قرآن نے یہاں 'نُعَاس' کا لفظ استعمال کیا ہے جو عربی میں ابتدائی نیند یعنی اونگھ اور جھپکی کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ اگر مقصود اطمینان کی نیند کا بیان کرنا ہوتا تو 'نوم' یا اس کے ہم معنی کوئی لفظ استعمال ہوتا۔ ہمارے نزدیک یہ شبہ کچھ وزن نہیں رکھتا۔ اول تو یہ خیال کیجیے کہ شدید پریشانی میں آدمی جس چیز سے محروم ہو جاتا ہے وہ ابتدائی نیند ہی ہے، وہ اگر کسی طرح آجائے اور ذرا آنکھ لگ جائے تو آدمی کچھ سو ہی لیتا ہے۔ خدا نے اپنے فضل خاص سے یہ چیز مسلمانوں پر اڑھا دی، جیسا کہ یُغَشِّیْکُمْ کے لفظ سے عیاں ہے اسی وجہ سے مسلمان سو لیے۔ دوسری بات یہ کہ سفر یا میدان جنگ میں گھوڑے بیچ کر اور مردوں سے شرط باندھ کر تو کوئی ذی ہوش بھی نہیں سوتا، جو بھی سوتا ہے وہ جھپکی والی نیند ہی سوتا ہے۔ اس وجہ سے ہمارے نزدیک قرآن نے یہ لفظ نہایت برمحل اور بلیغ استعمال کیا ہے۔

اس سلسلہ کی تیسری تائید الٰہی

وَیُنَزِّلُ عَلَیْکُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً لِّیُطَھِّرَکُمْ بِہٖ وَیُذْھِبَ عَنْکُمْ رِجْزَ الشَّیْطٰنِ:

یہ تیسری تائید الٰہی کا حوالہ ہے کہ عین موقع پر اللہ تعالیٰ تمھارے لیے آسمان سے پانی برسا دیتا ہے۔ یہاں مِنَ السَّمَآءِ کے الفاظ بڑے بامعنی ہیں۔ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ کفار نے پہلے

بارش کے ذریعے تائید

پہنچ کر پانی کے چشمہ پر قبضہ کر لیا تھا۔ اس وجہ سے پانی کے باب میں مسلمانوں کو بڑی تشویش تھی۔ اللہ تعالیٰ نے مِنَ السَّمَآءِ کے الفاظ سے گویا اپنے اس التفاتِ خاص کی طرف مسلمانوں کی توجہ دلائی کہ کفار نے جب تمھیں زمین کے پانی سے محروم کرنے کی تدبیر کی تو وہ تمھارا کچھ نہ بگاڑ سکے، تمھارے رب نے تمھارے لیے آسمان سے پانی بھیج دیا۔

'لِيُطَهِّرَكُمْ' میں پانی کا جو فائدہ بتایا ہے اس سے صحابہؓ کے ذوق و رجحان پر روشنی پڑتی ہے کہ ایمان و اسلام نے ان کے اقدار اور پیمانے کس قدر بدل دیے تھے۔ پانی کا یہ فائدہ کہ پیا جاتا ہے ہر آدمی کو معلوم ہے بلکہ بیل اور گدھے بھی اس سے واقف ہیں۔ مومن کی نگاہ میں پانی کا اصلی فائدہ اور اس کی حقیقی قدر و قیمت اس بات میں ہے کہ وہ پاکیزگی اور طہارت کا ذریعہ اور شیطانی وسوسوں کے دور کرنے کا واسطہ ہے اور یہ چیز اللہ کو بہت محبوب ہے۔ صحابہؓ نے اس موقع پر پانی کے مسئلہ پر غور کیا ہوگا تو ان کے سامنے پینے کی ضرورت سے زیادہ اہمیت کے ساتھ یہ بات آئی ہوگی کہ وضو کیسے ہوگا، طہارت کے لیے کیا بنے گا، غسل کی ضرورت پیش آئی تو کیا صورت ہوگی؟ ان کی اس مخصوص پریشانی کی وجہ سے، جو ان کے جوشِ ایمان کا مظہر تھی، اللہ تعالیٰ نے پانی کی ان روحانی برکات کا خاص طور پر ذکر فرمایا اور اس کے عام حیوانی فوائد سے صرفِ نظر فرمایا کہ وہ تو سبھی کے علم میں ہیں۔

رجز الشیطٰن سے مراد

'رِجْزَ الشَّيْطٰنِ' سے مراد شیطانی وساوس ہیں۔ اس کے ذکر کا بھی ایک خاص محل ہے۔ آدمی جب ناپاکی کی حالت میں ہو تو جس طرح گندی چیزوں پر مکھیوں کا زیادہ ہجوم ہوتا ہے، اسی طرح گندگی کی حالت میں شیطانی وساوس کا بھی آدمی پر زیادہ غلبہ ہوتا ہے۔ یہ حقیقت بعض احادیث میں بھی بیان ہوئی ہے۔ علاوہ بریں یہ بات بھی ہے کہ اگر پانی جیسی ناگزیر شے کی نایابی کا سوال پیدا ہو جائے اور وہ بھی عین جنگ کی حالت میں تو شیطان اس کی آڑ میں ایسی بددلی اور مایوسی پھیلا سکتا ہے کہ بہتوں کا ایمان متزلزل ہو جائے۔

نیند کے فوائد کی تفصیل

وَلِيَرْبِطَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ وَيُثَبِّتَ بِهِ الْاَقْدَامَ (۱۱) ربط اللہ علی قلبہ: قوّاہ وصبّرہ خدا نے اس کے دل کو مضبوط کر دیا، اس کو اثباتِ قلب بخشا، اس کو تھام لیا۔ عام طور پر لوگوں نے اس اثباتِ قلب اور ثباتِ قدم کو بھی مذکورہ بارش ہی کے تحت شمار کیا اور اس پہلو سے اس ٹکڑے کی تاویل کی ہے لیکن میرا رجحان یہ ہے کہ یہ اس نیند کے فوائد کی تفصیل ہے جس کا اوپر ذکر ہے۔ میرے رجحان کے وجوہ حسب ذیل ہیں۔

اول یہ کہ 'لِيَرْبِطَ' میں 'لِ' کا اعادہ اس بات کا قرینہ ہے کہ یہ بعینہٖ 'لِيُطَهِّرَكُمْ بِهٖ وَيُذْهِبَ عَنْكُمْ رِجْزَ الشَّيْطٰنِ' کے تحت نہیں ہے۔ ایسا ہوتا تو بغیر اعادہ 'ل' کے آتا جس طرح 'وَيُذْهِبَ' ہے۔ فصیح عربی میں اسلوبِ بیان یہی ہے۔ کلامِ عرب اور قرآن کے نظائر سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ اس کتاب

میں اس کی ایک سے زیادہ مثالیں گزر چکی ہیں۔ بقرہ میں ہے۔ یُرِیۡدُ اللّٰہُ بِکُمُ الۡیُسۡرَ وَلَا یُرِیۡدُ بِکُمُ الۡعُسۡرَ وَلِتُکۡمِلُوا الۡعِدَّۃَ وَلِتُکَبِّرُوا اللّٰہَ عَلٰی مَا ھَدٰىکُمۡ وَلَعَلَّکُمۡ تَشۡکُرُوۡنَ (۱۸۵۔ بقرہ)
(اور اللہ تمہارے لیے سہولت چاہتا ہے، تنگی نہیں چاہتا اور تاکہ تم تعداد پوری کرو اور تاکہ تم اس ہدایت پر جو اس نے تم کو بخشی ہے اس کی بڑائی کرو اور تاکہ تم شکرگزار رہو) ہم نے اس آیت کے تحت وضاحت کی ہے کہ یہ اوپر کے بیان کردہ احکام کی الگ الگ علتیں واضح کی گئی ہیں، اس وجہ سے ہر ایک کے ساتھ لَ کا اعادہ کیا گیا اور ترتیب بیان نزولی نہیں بلکہ صعودی ہے یعنی نیچے سے اوپر کو چڑھتے ہوئے ایک ایک حکم کی غایت واضح کی گئی ہے۔ بالکل اسی اصول پر یہاں بھی ترتیب صعودی ہے۔ پانی کا ذکر سب سے آخر میں ہے، پہلے اس کا فائدہ بیان کیا گیا ہے۔ پھر نیند کا فائدہ بیان ہوا جس کا ذکر اوپر تھا اور لِ کا اعادہ کر کے یہ اشارہ فرما دیا کہ اس کا تعلق قریبی شے سے نہیں ہے بلکہ دوسری چیز سے ہے دوم یہ کہ ثباتِ قلب، سکون دماغ اور ثبات قدم کا واضح تعلق نیند ہی سے ہے اسی وجہ سے قرآن نے اس کو امنۃ سے تعبیر فرمایا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ اگر رات بے خوابی اور پریشانی میں گزری ہو تو دماغ اڑا اڑا پھرتا ہے، دل پراگندہ اور پریشان رہتا ہے۔ آدمی قدم رکھتا کہیں ہے، پڑتے کہیں ہیں۔ ایسی ذہنی اور قلبی پریشانی میں آدمی کوئی چھوٹے سے چھوٹا کام بھی سلیقہ سے نہیں کر پاتا چہ جائیکہ دشمن سے مقابلہ اور وہ بھی اس دور کی جنگ میں جس میں کامیابی کا انحصار مشینوں کی قوت پر نہیں بلکہ لڑنے والوں کے اپنے اعصاب کی چستی اور قوت پر تھا۔ یہ بات بھی یہاں ملحوظ رہے کہ متعدد عرب شعرا نے اپنے جنگی کارناموں کی تفصیل کرتے ہوئے یہ بات بیان کی ہے کہ ہم نے رات میں اپنے دشمن کو سونے نہیں دیا جس کے سبب سے صبح کو ان کے دل ایسے اڑے ہوئے تھے کہ ہمارے سامنے ان کے قدم نہ جم سکے:

اِذۡ یُوۡحِیۡ رَبُّکَ اِلَی الۡمَلٰٓئِکَۃِ اَنِّیۡ مَعَکُمۡ فَثَبِّتُوا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا ؕ سَاُلۡقِیۡ فِیۡ قُلُوۡبِ الَّذِیۡنَ کَفَرُوا الرُّعۡبَ فَاضۡرِبُوۡا فَوۡقَ الۡاَعۡنَاقِ وَاضۡرِبُوۡا مِنۡہُمۡ کُلَّ بَنَانٍ ؕ ذٰلِکَ بِاَنَّہُمۡ شَآقُّوا اللّٰہَ وَرَسُوۡلَہٗ ۚ وَمَنۡ یُّشَاقِقِ اللّٰہَ وَرَسُوۡلَہٗ فَاِنَّ اللّٰہَ شَدِیۡدُ الۡعِقَابِ ﴿﴾ ذٰلِکُمۡ فَذُوۡقُوۡہُ وَاَنَّ لِلۡکٰفِرِیۡنَ عَذَابَ النَّارِ (۱۲-۱۴)

اِذۡ یُوۡحِیۡ رَبُّکَ اِلَی الۡمَلٰٓئِکَۃِ، یہاں ملائکہ سے مراد ملائکہ کی وہی فوج ہے جس کی اوپر بشارت دی گئی۔ یہ فوج براہ راست، رب الافواج کی کمان میں تھی اس وجہ سے اس کو احکام بھی براہ راست اسی کی طرف سے ملتے تھے اور ان احکام کا ذریعہ وحی الٰہی تھی اس لیے کہ فرشتے بھی باایں علو مرتبت خدا تک براہ راست رسائی نہیں رکھتے۔

خدا کی شان اہتمام کے پردے سے ظاہر ہوتی ہے

اَنِّیۡ مَعَکُمۡ فَثَبِّتُوا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا، یہ پہلا حکم ہے جو اس فوج کو ملا۔ ارشاد ہوا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں تو تم مسلمانوں کو ثابت قدم رکھو۔ اس سے ایک بات تو یہ نکلی کہ خدا کی معیت کے بغیر فرشتے

بھی کچھ نہیں کر سکتے۔ دوسری یہ کہ فرشتوں کا کام بھی بہرحال یہ نہیں تھا کہ وہ مسلمانوں سے یہ کہہ دیں کہ تم الگ ہو کر بیٹھو، ہم لڑ کر تمھارے لیے میدان جیتے دیتے ہیں بلکہ ان کا فریضۂ منصبی مسلمانوں کو ثابت قدم رکھنا تھا۔ گویا اصلی چیز مسلمانوں کی خود اپنی شجاعت اور ثابت قدمی تھی۔ مسلمان اپنا یہ جوہر دکھائیں تو خدا کی امداد ان کے ساتھ ہے۔ سنت الٰہی یہی ہے کہ خدا کے ہاتھ ہمیشہ اسباب کے اوٹ سے کام کرتے ہیں۔

اصل طاقت حوصلہ ہے

'سَاُلْقِیْ فِیْ قُلُوْبِ الَّذِیْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ' مطلب یہ کہ اہلِ ایمان اپنی ثابت قدمی کا ثبوت دے دیں پھر زیادہ دیر نہیں گزرے گی کہ میں کافروں کے دلوں میں مسلمانوں کا رعب ڈال دوں گا۔ یہاں یہ بات ذہن میں رکھنے کی ہے کہ فوج کی اصلی قوت اس کے حوصلہ (MORALE) میں ہوتی ہے۔ اگر حوصلہ بحال رہے تو سپاہی بے تیغ و تفنگ بھی لڑتا ہے اور اگر حوصلہ ٹوٹ جائے تو اسلحہ کے بڑے بڑے ذخیرے غنیم کے لیے چھوڑ کر فوج بھاگ کھڑی ہوتی ہے تو یہ جو فرمایا کہ میں ان کے دلوں میں رعب ڈال دوں گا، یہ کوئی معمولی بات نہیں ہوئی بلکہ یہ تعبیر ہوئی ان کی کمر توڑ دینے کی۔

'فَاضْرِبُوْا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ وَاضْرِبُوْا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ' یہ ان کی مرعوبیت کے نتیجہ کی نہایت حقیقت افروز تعبیر ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ جب ان کا حوصلہ ٹوٹ جائے گا تو ان کو بھیڑوں بکریوں بلکہ گاجر مولی کی طرح کاٹ کر ڈال دو۔ ان کی گردنوں کے اوپر مارو، ان کے ایک ایک پور پر مارو، یہ تصویر ہے مرعوبیت کے باعث ان کی بے بسی کی۔ حریف میں جب تک دم خم ہوتا ہے ظاہر ہے کہ اس بات کا موقع وہ مشکل ہی سے دیتا ہے کہ آپ جہاں چاہیں اس کے ماردیں لیکن جب اعصاب ڈھیلے پڑ گئے تو پکڑ کر اس کی چندیا پر جوتے لگا دیجیے، وہ چوں بھی نہ کر سکے گا۔ تعیین محل کے ساتھ جب کسی کو مارنے کے لیے کہا جائے تو اس میں اس کی تحقیر و تذلیل بھی مدنظر ہوتی ہے اور اس سے اس کی بے بسی کی طرف بھی اشارہ ہوتا ہے۔

'ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَآقُّوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَمَنْ يُّشَاقِقِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ' یہ وجہ بیان ہوئی اس بات کی کہ کیوں خدا ان کے دلوں میں رعب ڈال ہوئے گا اور کیوں یہ مسلمانوں کے ہاتھوں گاجر مولی کی طرح کاٹے جائیں گے؟ فرمایا کہ اس لیے کہ یہ اللہ و رسول کے مقابلہ کے لیے اٹھے ہیں اور جو لوگ اللہ و رسول سے مقابلہ کے لیے اٹھتے ہیں اللہ ان کو شدید پاداش سے دوچار کرتا ہے۔ انسانی فطرت کے اندر خدا اور خدا کے رسول سے لڑنے کے لیے کوئی جواز موجود نہیں ہے۔ لڑائی کا جواز وہاں ہوتا ہے جہاں کسی حق کی حفاظت مدنظر ہو اور اسی صورت میں لڑائی کا حوصلہ بھی ابھرتا ہے۔ ظاہر ہے کہ خدا کے مقابل میں کسی حق کا سوال پیدا نہیں ہوتا اس وجہ سے اس قسم کی جہالت کے لیے جو لوگ اٹھتے ہیں وہ اٹھیں چاہے طوفان کی طرح لیکن مقابلہ پیش آجائے تو بیٹھ جاتے ہیں بلبلے کی طرح۔ اس لیے کہ ان کے حوصلہ کی بنیاد کسی حق پر نہیں ہوتی۔

'ذٰلِكُمْ فَذُوْقُوْهُ وَاَنَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابَ النَّارِ' اور خطاب مسلمانوں سے تھا، یہ اثنائے کلام میں ایک بات قریش کو مخاطب کر کے فرما دی کہ یہ جو کچھ بدر میں تمہارے سامنے پیش آیا ہے یہ نقد عاجل ہے اس کو چکھ لو اور دوزخ کے عذاب کا انتظار کرو۔ یہ گویا 'اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ' کی وضاحت ہوئی کہ خدا کی طرف سے جو پاداش تمہارے لیے مقرر ہے اس کو اسی پر ختم نہ سمجھو، اصل پاداش کی جگہ دوزخ ہے۔ اس کا انتظار کرو۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا زَحْفًا فَلَا تُوَلُّوْهُمُ الْاَدْبَارَ ۝ وَمَنْ يُّوَلِّهِمْ يَوْمَئِذٍ دُبُرَهٗۤ اِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ اَوْ مُتَحَيِّزًا اِلٰى فِئَةٍ فَقَدْ بَآءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ (۱۵-۱۶)

'زحف' کا مفہوم

'اِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا زَحْفًا' زحف کے اصل معنی گھسل گھسل کر یا گھٹنوں پر چلنے کے ہیں یہیں سے یہ کسی بھاری بھرکم، سازو سامان سے لدے پھندے لشکر کے جنگ کے لیے نکلنے کے معنی میں استعمال ہوا اس لیے کہ وہ بھی آہستہ آہستہ ہی مارچ کرتا ہے۔ یہ ملحوظ رہے کہ لفظ کا یہ استعمال اس مشینی دور کا نہیں بلکہ اس دور کا ہے جب فوج کی نقل و حرکت گھوڑوں، گدھوں اور اونٹ وغیرہ کے ذریعہ سے ہوتی تھی۔

عرب میں جنگ کے دو معروف طریقے

عرب میں جنگ کے دو طریقے معروف تھے۔ ایک منظم فوج کشی کا، دوسرا وہ جس کو اس زمانے میں گوریلا وار فیر کہتے تھے۔ گوریلا وار فیر کا اصول یہ تھا کہ حملہ کرو، لوٹو اور بھاگ جاؤ۔ اس کو کہتے بھی کر و فر کی جنگ تھے۔ اس کے لیے چھوٹے چھوٹے دستے نکلتے اور چھاپہ مار کر اپنی جا پناہوں میں چھپ جاتے تھے۔ اس کا کوئی مخصوص ضابطہ نہیں تھا بس جس طرح کامیاب چھاپہ مارا جا سکے اور اپنے کو بچایا جا سکے وہی اس کا اصلی ہنر تھا۔

منظم فوج کشی کا معاملہ اس سے بالکل مختلف تھا۔ اس کے لیے ایک ضابطہ تھا جس کی پابندی اہل لشکر کو بھی کرنی پڑتی تھی اور فریقین جنگ بھی، جو آپس میں لڑتے تھے، اس کا احترام ملحوظ رکھتے تھے۔ یہاں آیت میں زیر بحث وہی منظم فوج کشی والی صورت ہے چنانچہ اس بات کو ظاہر کرنے کے لیے 'زَحْفًا' کا لفظ استعمال ہوا ہے تاکہ یہ واضح ہو جائے کہ اس حکم کا تعلق گوریلا وار فیر کی صورت سے نہیں ہے۔

آئندہ کی جنگوں سے متعلق ضروری ہدایت

اب یہ مسلمانوں کو آئندہ پیش آنے والی جنگوں سے متعلق ہدایت دی جا رہی ہے کہ جب منظم فوج کشی کی شکل میں دشمن سے تمہارا مقابلہ ہو تو پیٹھ نہ دکھانا۔ یہ ہدایت اللہ تعالیٰ کی انہی تائیدات پر مبنی ہے جو اوپر مذکور ہوئی ہیں کہ جن کی پشت پر خدا اور اس کے فرشتے یوں مدد و نصرت کے لیے کھڑے ہوں ان کے لیے حرام ہے کہ وہ اپنی پیٹھ دشمن کو دکھائیں۔

جنگ میں پیٹھ دکھانے کے جرم کی شناعت

'وَمَنْ يُّوَلِّهِمْ يَوْمَئِذٍ دُبُرَهٗ' الایہ ایسی صورت میں جو لوگ دشمن کو پیٹھ دکھائیں گے فرمایا کہ وہ خدا کا غضب لے کر لوٹیں گے اور ان کا ٹھکانا جہنم ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ جرم کفر و ارتداد کے

برابر ہے۔ اس جرم کی یہ شدت ظاہر ہے کہ اسی بنیاد پر ہے کہ جو شخص میدانِ جنگ سے بھاگتا ہے وہ اپنی اس بزدلی سے بسا اوقات پوری فوج بلکہ پوری ملت کے لیے ایک شدید خطرہ پیدا کر دیتا ہے۔
'اِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ اَوْ مُتَحَيِّزًا اِلٰى فِئَةٍ' یعنی اس سے مستثنیٰ وہ شکلیں ہیں جو کوئی سپاہی کسی جنگی تدبیر کے لیے اختیار کرتا ہے یا کوئی ایسی صورت اس کے سامنے آگئی ہے کہ وہ اپنے ایک مورچہ سے ہٹ کر اپنے ہی کسی دوسرے مورچے کی طرف سمٹنا چاہتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ حرام جو چیز ہے وہ فرار کی نوعیت کا پیٹھ دکھانا ہے، وہ پیچھے ہٹنا اس سے مستثنیٰ ہے جو تدبیر جنگ کی نوعیت کا ہو۔

فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى ۚ وَلِيُبْلِيَ الْمُؤْمِنِيْنَ مِنْهُ بَلَآءً حَسَنًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝ ذٰلِكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ مُوْهِنُ كَيْدِ الْكٰفِرِيْنَ (۱۷-۱۸)

پیغمبر صلعم کی آستین سے دستِ غیب کے کارنامے

'فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ' میں خطاب عام مسلمانوں سے ہے اور 'وَمَا رَمَيْتَ' میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے۔ اس وجہ سے دونوں میں جمع اور واحد کا فرق ہے۔ 'رمی' تیر مارنے، کنکر پتھر پھینکنے، خاک اور راکھ جھونکنے، سبھی کے لیے آتا ہے۔ روایات میں ہے کہ جب کفار کی فوجیں سامنے ہوئیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مٹھی بھر خاک زمین سے اٹھائی اور 'شاھت الوجوہ' کہہ کر کفار کی طرف پھینکی۔ 'شاھت الوجوہ' عربی میں لعنت کا فقرہ ہے اور کسی کے اوپر خاک جھونکنا نہایت قدیم زمانہ سے لعنت کرنے کا ایک طریقہ ہے۔ تورات میں بھی اس کا ذکر آتا ہے اور عرب کی روایات سے بھی اس کا پتہ چلتا ہے۔ سورۂ فیل کی تفسیر میں مولانا فراہیؒ نے اس کے حوالے دیے ہیں۔

یہاں زبان کا یہ اسلوب بھی نگاہ میں رہے کہ بعض مرتبہ فعل کی نفی سے مقصود نفس فعل کی نفی نہیں ہوتی بلکہ اس فعل کے ساتھ ان شاندار نتائج کی نسبت کی نفی ہوتی ہے جو اس فعل کے پردے میں ظاہر ہوئے۔ مٹھی بھر نہتے مسلمانوں کا قریش کی دل بادل غرق آہن فوج کو گاجر مولی کی طرح کاٹ کر ڈال دینا یا آنحضرتؐ کے دست مبارک سے پھینکی ہوئی چٹکی بھر خاک کا ایک ایسا طوفان بن جانا کہ تمام کفار کو اپنی آنکھوں کی پڑ جائے، یہ مسلمانوں کی چیتھڑوں میں لپٹی ہوئی تلواروں یا پیغمبر کی رمی کے کارنامے نہیں تھے بلکہ اس دستِ غیب کے کارنامے تھے جو مسلمانوں کی میانوں اور پیغمبر عالمؐ کی آستینوں میں چھپا ہوا تھا۔
'اَبْلٰى فُلَانٌ فِى الْحَرْبِ بَلَاءً حَسَنًا' کے معنی ہوں گے اس نے میدانِ جنگ میں خوب خوب اپنی بہادری کے جوہر دکھائے یہاں تک کہ سب نے اس کا لوہا مان لیا۔ 'اَبْلَى اللّٰهُ عِبَادَهٗ بَلَآءً حَسَنًا' کے معنی ہوں گے کہ اللہ نے اپنے بندوں کے اچھے جوہر نمایاں کیے۔ 'وَلِيُبْلِيَ الْمُؤْمِنِيْنَ' کا معطوف علیہ یہاں عربیت کے معروف قاعدے کے مطابق محذوف ہے۔ اس لیے کہ اوپر کے الفاظ سے وہ خود بخود واضح ہے۔ اس محذوف کو کھول دیجیے تو گویا پوری بات یوں ہوگی "تاکہ اللہ اپنی نصرت کی شانیں دکھائے اور مسلمانوں کے جوہر اچھی

طرح نمایاں کردے۔

اِنَّ اللّٰهَ سَمِیۡعٌ عَلِیۡمٌ اللہ تعالیٰ کی صفات سمع وعلم کے حوالے سے یہاں مقصود مسلمانوں کو یہ اطمینان دلانا ہے کہ خدا کسی بات سے بھی بے خبر نہیں۔ وہ اپنے بندوں کی دعائیں اور فریادیں ہر وقت سنتا اور ان کی ضرورتیں اور حاجتیں ہر لحظہ جانتا ہے۔ بدر میں اس کی تائیدات کا بروقت ظہور اس کی تازہ شہادت ہے۔

ذٰلِکُمۡ وَاَنَّ اللّٰهَ مُوۡهِنُ کَیۡدِ الۡکٰفِرِیۡنَ ذٰلِکُمۡ جب اس طرح آتا ہے تو یہ پورے جملے کا قائم مقام ہوتا ہے اور اس کے بعد جو حرفِ ربط آتا ہے اس کا تعلق اس مخفی مضمون سے ہوتا ہے جو اس کے اندر مضمر ہوتا ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ خدا کی تائید و نصرت کی یہ شانیں جو ظاہر ہوئیں یہ تمھارے لیے نقد ہیں اور مزید براں یہ ہے کہ خدا کفار کی ساری چالیں جو وہ تمھارے خلاف چلیں گے بودی ثابت کرتا رہے گا۔ غور کیجیے تو معلوم ہو گا کہ یہ جملہ ٹھیک ٹھیک اوپر کے جملہ ذٰلِکُمۡ فَذُوۡقُوۡهُ وَاَنَّ لِلۡکٰفِرِیۡنَ عَذَابَ النَّارِ کا مدمقابل جملہ ہے یعنی کفار کے لیے یہ چپت نقد ہے جو ان کو بدر میں لگی اور تمھارے لیے یہ فتح عظیم نقد ہے جو تمھیں حاصل ہوئی اب آگے ان کے لیے دوزخ ہے اور تمھارے لیے یہ بشارت کہ کفار کی سازشوں کے تمام تار و پود بکھر جائیں گے اور دین حق کا بول بالا ہو گا۔

جنگ بدر کفار کی ایک سازش تھی

'کَیۡدِ الۡکٰفِرِیۡنَ' کے الفاظ سے وہ بات صاف نکلتی ہے جس کی طرف ہم نے پیچھے اشارہ کیا ہے کہ یہ جنگ قریش کے لیڈروں کی سازش کا نتیجہ تھی۔ انھوں نے قافلۂ تجارت کی حفاظت کا بہانہ تراش کر مسلمانوں پر حملہ کر دیا لیکن اللہ تعالیٰ نے، جیسا کہ آگے آیت ۴۲ کے تحت واضح ہو گا، بروقت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سازش سے باخبر کر دیا اور مسلمان مدافعت کے لیے تیار ہو گئے۔ اس وجہ سے قرآن نے اس کو 'کید' کے لفظ سے تعبیر فرمایا ہے جس کے معنی چال اور سازش کے ہیں۔ آگے آیت ۴۸ سے انشاء اللہ یہ بات بھی ثابت ہو جائے گی کہ اس سازش میں یہود بھی شریک تھے۔

اجزا کی وضاحت کے بعد آیت کے سیاق و سباق پر ایک نظر ڈال لیجیے۔ اوپر کی آیات میں مسلمانوں کو جس جان بازی و سرفروشی کی دعوت دی گئی ہے یہ اسی کی دلیل بیان ہوئی ہے کہ تم کیوں جان چراؤ اور کیوں پیٹھ دکھاؤ جب کہ تم نہیں لڑتے بلکہ تمھاری طرف سے خدا لڑتا ہے۔ لڑتا در اصل خدا ہے البتہ وہ تمھارے لیے میدان فراہم کرتا ہے کہ تمھارے جوہر نمایاں ہوں اور تم دین و دنیا دونوں کی سرفرازی حاصل کرو۔

اِنۡ تَسۡتَفۡتِحُوۡا فَقَدۡ جَآءَکُمُ الۡفَتۡحُ ۚ وَاِنۡ تَنۡتَهُوۡا فَهُوَ خَیۡرٌ لَّکُمۡ ۚ وَاِنۡ تَعُوۡدُوۡا نَعُدۡ ۚ وَلَنۡ تُغۡنِیَ عَنۡکُمۡ فِئَتُکُمۡ شَیۡئًا وَّلَوۡ کَثُرَتۡ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ مَعَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ (۱۹)

جنگِ بدر فیصلہ کی میزان

اس آیت میں براہ راست قریش کو مخاطب کر لیا گیا ہے کہ بولو، اب کیا کہتے ہو؟ تم ہی تو کہتے تھے کہ اس جنگ میں جو جیتا وہ حق پر سمجھا جائے گا تو فتح تو تمھارے سامنے آ گئی۔ یہ بات بھی یہاں ملحوظ رہے کہ قریش کے لیڈروں نے اپنی کثرتِ تعداد کے نشہ میں اس موقع پر خوب بڑھ بڑھ کے تقریریں کیں۔ چونکہ

ان کو اپنی فتح کا سو فی صدی یقین تھا اس وجہ سے انھوں نے اس جنگ کو فیصلہ کی میزان ٹھہرا لیا کہ یہ میزان جو فیصلہ کر دے گی وہ اس کو بے چون و چرا تسلیم کر لیں گے۔ ابوجہل اس جنگ کے برپا کرنے میں سب سے زیادہ سرگرم تھا۔ اس کی یہ دعا کتابوں میں مذکور ہے کہ اللھم اقطعنا للرحم فاحنہ الغداۃ (اے اللہ فریقین میں سے جو سب سے زیادہ قطع رحم کا مجرم ہوا ہے تو کل اس کو کچل دیجیو) قرآن نے قریش کی انھی لن ترانیوں کو سامنے رکھ کر کہا کہ اگر اس جنگ کی فتح پر فیصلہ کا انحصار تھا تو اس قاضی کا فیصلہ تو صادر ہو گیا۔

یہ امر یہاں ملحوظ رہے کہ غزوۂ بدر کی اسی خاص نوعیت کی بنا پر قرآن نے اس کو یوم الفرقان سے تعبیر فرمایا ہے یعنی حق و باطل کے درمیان فیصلہ کر دینے والی جنگ۔ آگے آیت ۳۱ کے تحت یہ بات بھی واضح ہو جائے گی کہ قریش علانیہ بڑی ڈھٹائی سے یہ کہتے تھے کہ اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی دعوت حق ہے تو خدا ہم پر پتھر برسا دے یا کوئی اور عذاب ہم پر آ جائے تب ہم مان لیں گے۔

نصیحت او فضیحت ہر دو

وَاِنْ تَنْتَهُوْا فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ، میں نصیحت بھی ہے، فضیحت بھی۔ مطلب یہ ہے کہ بہتر ہے کہ اس سے سبق لو اور اگر سبق نہ لیا تو یاد رکھو کہ ہمارا کچھ نہیں بگاڑو گے اپنی ہی شامت بلاؤ گے۔ وَاِنْ تَعُوْدُوْا نَعُدْ، میں کھلی ہوئی دھمکی ہے کہ اگر تم نے اس قسم کی شرارت پھر کی تو یاد رکھو کہ ہم کہیں چلے نہیں جائیں گے، تمھارا سر کچلنے کے لیے اسی طرح ہم پھر آ موجود ہوں گے۔ وَلَنْ تُغْنِيَ عَنْكُمْ فِئَتُكُمْ شَيْئًا وَّلَوْ كَثُرَتْ اور تمھاری جمعیت تمھارے کچھ کام نہ آ سکے گی، خواہ کتنی ہی زیادہ ہو، مطلب یہ ہوا کہ واحد چیز جو تم سوچ سکتے ہو یہی ہے کہ آیندہ مزید قوت و شوکت کے ساتھ حملہ کرو، سو یہ چیز بھی تمھارے کچھ کام آنے والی نہیں۔ بس یہ ہو گا کہ ہماری بھٹی کے لیے کچھ اور ایندھن فراہم کر کے لاؤ گے۔ وَاَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ، یہ ٹکڑا ساری آیت کی جان ہے اور اس کے دو لفظوں میں کفار کے لیے دھمکیوں کا اور اہل ایمان کے لیے بشارتوں کا ایک جہان ہے۔ فرمایا کہ اب آئے جس کو آنا ہو اور لڑے جس کو لڑنا ہو اور جمع کرے وہ جتنی جمعیت جمع کر سکتا ہو، اہل ایمان کے ساتھ ہم ہیں ہم!! سبحان اللہ

کیا غم ہے جو ہو ساری خدائی بھی مخالف
کافی ہے اگر ایک خدا میرے لیے ہے

۴- آگے کا مضمون ____ آیات ۲۰-۲۸

مسلمانوں کی تربیت و اصلاح اور تطہیر و تنظیم کا وہی مضمون جو اوپر سے چلا آ رہا ہے اپنے تدریجی انکشافات کے ساتھ آگے بڑھ رہا ہے اور جن لوگوں کی کمزوریاں اس تقریر کی محرک ہوئی ہیں ان کو کچھ کھلی ہوئی دھمکیاں بھی دی گئی ہیں اور مجموعی طور پر مسلم معاشرہ کو بھی متنبہ کیا گیا ہے کہ اپنے پیش و عقب سے آگاہ رہو، معاشرے کی برائیاں اور بھلائیاں دونوں مشترک ہوتی ہیں۔ اگر کچھ لوگوں نے کوئی فتنہ برپا

کرنے کی کوشش کی اور دوسروں نے ان کا ہاتھ پکڑنے کی کوشش نہ کی تو بالآخر وہ فتنہ نیک و بد سب کو اپنی لپیٹ میں لے لے گا۔ اللہ و رسولؐ کی اطاعت پر جم جاؤ، ان یہود کی روش سے بچو جو اپنے رسول کے سامنے تو دعوے کرتے کہ ہم نے مانا لیکن وہ مانتے نہیں تھے۔ پیغمبرؐ کی دعوت حقیقی زندگی کی دعوت ہے اس پر دل و جان سے لبیک کہو۔ جو لوگ پیغمبرؐ کی دعوت، سن اور سمجھ کر بھی اس کے لیے اپنے دلوں کے دروازے نہیں کھولتے، ان کے اور ان کے دلوں کے درمیان خدا کا قانون حائل ہو جاتا ہے اور پھر وہ ہمیشہ کے لیے بند ہو جاتے ہیں۔ آیات کی تلاوت فرمائیے۔

آیات ۲۰-۲۸

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓا۟ أَطِيعُوا۟ ٱللَّهَ وَرَسُولَهُۥ وَلَا تَوَلَّوْا۟ عَنْهُ وَأَنتُمْ تَسْمَعُونَ ﴿٢٠﴾ وَلَا تَكُونُوا۟ كَٱلَّذِينَ قَالُوا۟ سَمِعْنَا وَهُمْ لَا يَسْمَعُونَ ﴿٢١﴾ ۞ إِنَّ شَرَّ ٱلدَّوَآبِّ عِندَ ٱللَّهِ ٱلصُّمُّ ٱلْبُكْمُ ٱلَّذِينَ لَا يَعْقِلُونَ ﴿٢٢﴾ وَلَوْ عَلِمَ ٱللَّهُ فِيهِمْ خَيْرًا لَّأَسْمَعَهُمْ ۖ وَلَوْ أَسْمَعَهُمْ لَتَوَلَّوا۟ وَّهُم مُّعْرِضُونَ ﴿٢٣﴾ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ ٱسْتَجِيبُوا۟ لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيكُمْ ۖ وَٱعْلَمُوٓا۟ أَنَّ ٱللَّهَ يَحُولُ بَيْنَ ٱلْمَرْءِ وَقَلْبِهِۦ وَأَنَّهُۥٓ إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ﴿٢٤﴾ وَٱتَّقُوا۟ فِتْنَةً لَّا تُصِيبَنَّ ٱلَّذِينَ ظَلَمُوا۟ مِنكُمْ خَآصَّةً ۖ ج وَٱعْلَمُوٓا۟ أَنَّ ٱللَّهَ شَدِيدُ ٱلْعِقَابِ ﴿٢٥﴾ وَٱذْكُرُوٓا۟ إِذْ أَنتُمْ قَلِيلٌ مُّسْتَضْعَفُونَ فِى ٱلْأَرْضِ تَخَافُونَ أَن يَتَخَطَّفَكُمُ ٱلنَّاسُ فَـَٔاوَىٰكُمْ وَأَيَّدَكُم بِنَصْرِهِۦ وَرَزَقَكُم مِّنَ ٱلطَّيِّبَٰتِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿٢٦﴾ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لَا تَخُونُوا۟ ٱللَّهَ وَٱلرَّسُولَ وَتَخُونُوٓا۟ أَمَٰنَٰتِكُمْ وَأَنتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿٢٧﴾ وَٱعْلَمُوٓا۟ أَنَّمَآ أَمْوَٰلُكُمْ وَأَوْلَٰدُكُمْ فِتْنَةٌ وَأَنَّ ٱللَّهَ عِندَهُۥٓ أَجْرٌ عَظِيمٌ ﴿٢٨﴾ ع

ع ۳ / ۱۷

ترجمۂ آیات ۲۰ - ۲۸

اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور اس سے روگردانی نہ کرو جب کہ تم سن رہے ہو اور ان لوگوں کی روش نہ اختیار کرو جو دعویٰ تو کرتے کہ ہم نے سنا لیکن سنتے سناتے کچھ نہیں تھے۔ اللہ کے نزدیک بدترین جانور یہ بہرے گونگے لوگ ہیں جو عقل سے کام نہیں لیتے۔ اور اگر اللہ ان میں کوئی صلاحیت دیکھتا تو ان کو سننے کی توفیق دیتا اور اگر صلاحیت بدوں ان کو سنواتا تو وہ اعراض کرتے ہوئے منہ پھیرتے۔ ۲۰ - ۲۳

اے ایمان والو! اللہ و رسول کی دعوت پر لبیک کہو جب کہ رسول تمہیں اس چیز کی دعوت دے رہا ہے جو تمہیں زندگی بخشنے والی ہے اور جان رکھو کہ اللہ آدمی اور اس کے دل کے درمیان حائل ہو جایا کرتا ہے اور یاد رکھو کہ اسی کی طرف تمہارا اکٹھا ہونا ہے اور بچتے رہو اس فتنہ سے جو مخصوص طور پر انہی لوگوں کو نہیں لاحق ہوگا جنھوں نے جرم کا ارتکاب کیا ہوگا اور جان رکھو کہ اللہ سخت پاداش والا ہے۔ ۲۴ - ۲۵

اور یاد کرو جب کہ تم تھوڑے اور ملک میں دبے ہوئے تھے، ڈرتے تھے کہ لوگ تمہیں اچک نہ لیں تو خدا نے تمہیں پناہ دی اور اپنی نصرت سے نوازا اور تم کو پاکیزہ روزی دی تاکہ شکر گزار بنو۔ اے ایمان والو، اللہ و رسول سے بے وفائی اور اپنی امانتوں میں خیانت جانتے بوجھتے نہ کرو اور جان رکھو کہ تمہارے مال اور تمہاری اولاد فتنہ ہیں اور یہ کہ اللہ ہی کے پاس اجر عظیم ہے۔ ۲۶ - ۲۸

۵۔ الفاظ کی تحقیق اور آیات کی وضاحت

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ وَاَنْتُمْ تَسْمَعُوْنَ ۝

وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ قَالُوا سَمِعْنَا وَهُمْ لَا يَسْمَعُونَ ۝ إِنَّ شَرَّ الدَّوَابِّ عِندَ اللَّهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِينَ لَا يَعْقِلُونَ ۝ وَلَوْ عَلِمَ اللَّهُ فِيهِمْ خَيْرًا لَّأَسْمَعَهُمْ ۖ وَلَوْ أَسْمَعَهُمْ لَتَوَلَّوا وَّهُم مُّعْرِضُونَ ۝ (۲۰-۲۳)

خطاب عام، لیکن روئے سخن خاص لوگوں کی طرف

'یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا' خطاب اگرچہ لفظاً عام ہے لیکن روئے سخن انہی کمزور اور منافق لوگوں کی طرف ہے جن کا ذکر شروع سے چلا آ رہا ہے۔ قرآن کا عام انداز یہی ہے کہ کمزوروں اور منافقوں کی غلطیوں پر گرفت بھی فرماتا ہے تو ان کا ذکر بصیغۂ عام ہی کرتا ہے کہ ان کا فضیحتا نہ ہو اور اگر وہ اصلاح قبول کرنا چاہیں تو قبول کر لیں۔ رہے اچھے لوگ تو وہ بہر حال اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ گویا دوسروں کی غلطیاں ان کے اپنے علم و عمل کو پختہ کرنے کے لیے مزید اسباب فراہم کر دیتی ہیں۔

رسول سے اعراض اللہ سے اعراض کے ہم معنی ہے

'اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ' میں فعل اپنے کامل معنی میں استعمال ہوا ہے یعنی اللہ و رسول کی اطاعت اس طرح کرو جس طرح ایمان کا تقاضا ہے۔ 'وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ وَاَنْتُمْ تَسْمَعُوْنَ'، یعنی رسول کی عین موجودگی میں، جب کہ دونوں کانوں سے اس کی دعوت سن رہے ہو، اس سے اعراض نہ کرو۔ 'وَاَنْتُمْ تَسْمَعُوْنَ' کے الفاظ ان کے رویہ کی شناعت کو ظاہر کر رہے ہیں کہ جب تم رسول کی موجودگی میں ٹھوکر کھاؤ گے تو کل کو تمہارا کیا حال ہو گا؟ جو لوگ پورے دن کی روشنی میں گرتے ہیں ان کے پاس ان کے گرنے کے لیے کوئی عذر نہیں ہو سکتا۔ 'عَنْهُ' کی ضمیر رسول کی طرف لوٹتی ہے حالانکہ اوپر ذکر اللہ و رسول دونوں کا ہے۔ اس سے یہ بات نکلتی ہے کہ رسول سے اعراض اللہ سے اعراض کے ہم معنی ہے جس نے رسول سے منہ موڑ لیا اس نے خدا سے منہ موڑ لیا۔ خدا سے تعلق اور اس کی اطاعت کا واحد ذریعہ اس کا رسول ہی ہے۔

ایک اشارہ یہود کی طرف

'وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِیْنَ قَالُوْا سَمِعْنَا وَهُمْ لَا یَسْمَعُوْنَ' یعنی ان لوگوں کے مانند نہ بنو جو دعویٰ تو 'سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا' کا کرتے لیکن عمل ان کا 'سَمِعْنَا وَعَصَیْنَا' پر ہوتا۔ بات اگرچہ اشاروں میں کہی گئی ہے لیکن قرآن کا ہر ذوق رکھنے والا سمجھ سکتا ہے کہ یہ اشارہ یہود کی طرف ہے۔ قرآن نے بڑی وضاحت سے سورۂ بقرہ میں بتایا ہے کہ یہود کہتے تو 'سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا' ہیں لیکن عمل ان کا 'سَمِعْنَا وَعَصَیْنَا' پر ہوتا ہے اور اس بات کی بھی قرآن نے تصریح کی ہے کہ ان کا یہ رویہ اس کے رسول کی عین موجودگی میں رہا ہے۔ گویا در پردہ ان منافق قسم کے مسلمانوں کو یہ بتا دیا گیا کہ تمہارا یہ طرز عمل اتباع رسول نہیں بلکہ اتباع یہود ہے۔ ایمان کا دعویٰ ہے تو اس مغضوب قوم کے نقش قدم پر نہ چلو۔

خدا کے نزدیک بدترین جانور

'اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِیْنَ لَا یَعْقِلُوْنَ'۔ اگرچہ لہجہ کی درشتی اوپر والے ٹکڑے میں جھلک رہی تھی لیکن اس ٹکڑے میں بالکل نمایاں ہو گئی ہے۔ فرمایا کہ خدا کے نزدیک بدترین جانور وہ بہرے گونگے لوگ ہیں جو عقل سے کام نہیں لیتے۔ مطلب یہ کہ اگر تم سب کچھ

سن کر اسی طرح بہرے گونگے بنے اور رسول کی سنی ان سنی کرتے رہے۔ عقل و فہم سے تم نے کام نہ لیا تو تم خدا کے نزدیک بدترین جانور رہو۔ قرآن نے جگہ جگہ یہود اور مشرکین کو بدترین جانور کہا ہے اور اس کی وجہ یہ بتائی ہے کہ انھوں نے سننے سمجھنے سے انکار کر دیا۔ ظاہر ہے کہ جو گروہ بھی ان کی روش اختیار کرے گا وہ انھی میں سے ہے۔ ہم دوسرے مقام میں واضح کر چکے ہیں کہ انسان کا اصلی وصف امتیازی اس کا سننا سمجھنا ہی ہے۔ اس وصف سے یہ اپنے کو محروم کرے تو بس یہ دو ٹانگوں پر چلنے والا ایک جانور ہی ہے اور جانور بھی بدترین جانور۔ بدترین اس لیے کہ جانور خواہ کتنا ہی بُرا ہو وہ اپنی جبلت پر قائم رہتا ہے اور اپنے محل میں اس کی ایک قیمت اور اس کی ایک افادیت ہے لیکن انسان اپنی خصوصیت نوعی سے محروم ہو جائے تو اس کے آگے شیطان بھی اپنے کانوں پر ہاتھ رکھتا ہے۔ یہ عقل و بصیرت سے کام لے تو جس طرح اس کے عروج کی کوئی حد نہیں اسی طرح عقل و بصیرت سے محروم ہو جانے کی صورت میں اس کی پستی کی بھی کوئی انتہا نہیں۔

ایک شبہ کا ازالہ

وَلَوْ عَلِمَ اللّٰهُ فِيْهِمْ خَيْرًا لَّاَسْمَعَهُمْ ۭ وَلَوْ اَسْمَعَهُمْ لَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ۔ یہ ایک دفع دخل مقدر یعنی ایک پیدا ہونے والے شبہے کا برسرِ موقع جواب ہے۔ بعض لوگوں کے ذہن میں یہ شبہ پیدا ہوتا ہے کہ جب سننے سمجھنے ہی پر انسان کی انسانیت کا انحصار ہے اور اس سے محرومی خدا کو اس درجہ ناپسند ہے کہ اس سے محروم ہو کر انسان اس کے نزدیک بدترین جانور بن جاتا ہے تو وہ اپنی قدرت سے ان کے کان کھول کیوں نہیں دیتا اور ان کی عقل پر پڑے ہوئے پردے ہٹا کیوں نہیں دیتا؟ اس سوال کے جواب میں فرمایا کہ اللہ اگر ایسے لوگوں کے اندر کوئی صلاحیت پاتا تو ان کو سننے سمجھنے کی توفیق دیتا۔ یہ صلاحیت ان کے اندر اس نے نہیں پائی اس وجہ سے ان کو توفیق نہیں بخشی۔ یہ اس سنت الٰہی کی طرف اشارہ ہے جس کی وضاحت ہم بار بار کر چکے ہیں کہ ہدایت و ضلالت کے معاملے میں خدا کا قانون یہ ہے کہ اس نے ہر انسان کے اندر خیر و شر کے امتیاز کی صلاحیت بخشی ہے جو لوگ اس کو زندہ رکھتے اور اس سے کام لیتے ہیں ان کو مزید ہدایت ملتی ہے اور وہ درجہ بدرجہ علم و عمل میں ترقی کرتے جاتے ہیں۔ اس کے برعکس ان لوگوں کا حال ہوتا ہے جو خدا کی اس ودیعت کردہ فطری صلاحیت کو ضائع کر بیٹھتے ہیں ان کو مزید ہدایت ملنا تو الگ رہا، قانونِ الٰہی یہ ہے کہ ان کو جو ہدایت فطرت سے ملی ہوئی ہوتی ہے وہ بھی سلب ہو جاتی ہے۔ سیدنا مسیحؑ نے اس حقیقت کو نہایت بلیغ پیرایہ میں یوں سمجھایا ہے کہ جو غلام ایک پیسہ میں چور ثابت ہوا اس کو اس کا مالک ایک لاکھ کی امانت کیسے سونپے گا؟

وَلَوْ اَسْمَعَهُمْ لَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ۔ یعنی اگر بدون اس صلاحیت کے خدا ان کے اندر ہدایت ڈالتا تو ڈالنے کو تو وہ ڈال دیتا لیکن وہ ان کے اندر جڑ نہ پکڑتی، ان کی طبیعتیں اس سے ابا کرتیں

بالآخروہ اس کو اگل دیتے۔ غذا کتنی ہی صالح ہولیکن معدہ فاسد ہوچکا ہو تو وہ اس کو قبول نہیں کرتا۔ آدمی لقمہ حلق سے اتار تو لیتا ہے لیکن بڑی جلدی قے کر دیتا ہے۔ ایک پودے کی صحیح نشوونما کے لیے صرف یہ کافی نہیں ہوتا کہ وہ اپنی ذات سے تندرست ہو بلکہ اس کے لیے زمین کی زرخیزی بھی مطلوب ہوتی ہے۔ ایک مالی اگر ایک بنجر زمین میں عمدہ سے عمدہ پودا لگا دے تو لگانے کو تو وہ لگا دے گا اور چند روز وہ پودا اپنی ذاتی صلاحیتوں کے بل پر زندہ بھی رہے گا لیکن جب زمین کے اندر سے اس کے مزاج کے مطابق اس کو مطلوب غذا نہیں ملے گی تو بالآخروہ سوکھ جائے گا۔ ٹھیک یہی حال نیکی اور ہدایت کے بیج کا بھی ہے۔ یہ اپنی صلاحیتوں کے مطابق نشوونما صالح فطرت کی زمین کے اندر پاتا ہے۔ اگر کسی شخص کی فطرت کی زمین شور ہو چکی ہو تو یہ بیج ڈالنے کو تو قدرت اس کے اندر بھی ڈال سکتی ہے لیکن قدرت ہی کا قانون یہ ہے کہ وہ اس کے اندر نشوونما نہ پا سکے۔

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ ٱسْتَجِيبُوا۟ لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيكُمْ ۖ وَٱعْلَمُوٓا۟ أَنَّ ٱللَّهَ يَحُولُ بَيْنَ ٱلْمَرْءِ وَقَلْبِهِۦ وَأَنَّهُۥٓ إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ (۲۴)

اللہ و رسول کی دعوت حقیقی زندگی کی دعوت ہے

اوپر گزر چکا ہے کہ انسان کی انسانیت کا انحصار اس کی عقل و بصیرت پر ہے اور اس کی زندگی عبارت ہے اس کی روح اور اس کے دل کی زندگی سے۔ اگر وہ صحیح بات سوچنے سمجھنے سے عاری اور کلمۂ حق سننے اور ماننے سے محروم ہو جائے تو درحقیقت وہ اپنے منشائے تخلیق کے اعتبار سے مردہ ہے۔ چنانچہ قرآن نے کفار کو جگہ جگہ مردہ کہا ہے۔ اللہ و رسول کی دعوت حقیقی زندگی کی دعوت ہوتی ہے اسی کو قبول کرنے سے بصارت کو بصیرت نصیب ہوتی ہے۔ اسی سے عقل کو وہ نور حاصل ہوتا ہے جو آفاق و انفس کے اسرار و حقائق سے اس کے لیے پردے اٹھاتا ہے۔ اس سے دل کو وہ زندگی نصیب ہوتی ہے جو اس کو ایک مضغۂ گوشت سے تجلیات و انوارِ الٰہی کا ایک آئینہ بنا دیتی ہے۔ فرمایا کہ اللہ و رسولؐ کی اس دعوت پر لبیک کہو اس لیے کہ اسی سے تم کو حقیقی اور جاوداں زندگی حاصل ہوگی۔ سیدنا مسیحؑ نے اس حقیقت کو یوں واضح فرمایا کہ انسان روٹی سے نہیں جیتا بلکہ اس کلمہ سے جیتا ہے جو خدا کی طرف سے آتا ہے۔ اس مضمون کی وضاحت انعام کی آیت ۱۲۲- أَوَمَن كَانَ مَيْتًا فَأَحْيَيْنَٰهُ الآیہ کے تحت ہو چکی ہے۔

ایک نہایت ہی سخت تنبیہ

وَٱعْلَمُوٓا۟ أَنَّ ٱللَّهَ يَحُولُ بَيْنَ ٱلْمَرْءِ وَقَلْبِهِۦ وَأَنَّهُۥٓ إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ یہ تنبیہ ہے اور بڑی ہی سخت تنبیہ ہے ان لوگوں کے لیے جو کسی دعوتِ خیر بالخصوص پیغمبر کی حیات بخش دعوت کی قدر نہیں کرتے بلکہ گونگے بہرے بن جاتے ہیں۔ فرمایا کہ یاد رکھو، جو لوگ یہ روش اختیار کرتے ہیں ان کے اور ان کے دلوں کے درمیان خدا حائل ہو جایا کرتا ہے۔ خدا کے حائل ہونے سے مراد یہاں خدا کے قانون کا حائل ہو جانا ہے۔ اس کتاب میں ایک سے زیادہ مقامات میں ہم اس بات کی وضاحت کر چکے ہیں کہ جو باتیں خدا کے قانون اور اس کی مقررہ سنت کے تحت ظہور میں آتی ہیں، بسا اوقات اللہ تعالیٰ ان کو

براہ راست اپنے فعل کی حیثیت سے تعبیر فرماتا ہے۔ خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ کے تحت یہ بحث تفصیل سے گزر چکی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ایسے لوگوں کے دل پھر ایسے عنان گسیختہ اور بے قابو ہو جاتے ہیں کہ وہ ان کو کسی طرح بھی قابو میں نہیں لا سکتے۔ انسان کا دل جب برائیوں کے پیچھے لگتا ہے تو ایک خاص حد تک تو اس کا حال یہ رہتا ہے کہ انسان اگر متنبہ ہو جائے اور اس کو روکنا چاہے تو روک سکتا ہے اور اس کو اصلاح کی راہ پر لگا سکتا ہے لیکن جب اس حد سے دل آگے بڑھ گیا اور انسان کو توفیق نہ ہوئی کہ وہ اس کو لگام دے تو پھر نہ آدمی کا ہاتھ باگ پر رہ جاتا ہے اور نہ پاؤں رکاب میں بلکہ وہ دل کے ہاتھوں بے بس ہو جاتا ہے۔ نبی کی دعوت، جیسا کہ اوپر گزرا، آنکھوں، کانوں اور دلوں کو کھولنے کے لیے سب سے زیادہ مؤثر دعوت ہوتی ہے اس وجہ سے جو لوگ اس دعوت سے اپنے کان بند کر لیں وہ خدا کے اس قانون کی زد میں آجاتے ہیں۔ جس کو قرآن نے 'ختم قلوب' یا 'رین' کے الفاظ سے تعبیر فرمایا ہے۔ یہاں قرآن نے کمزور اور منافق قسم کے لوگوں کو اسی چیز سے ڈرایا ہے کہ ابھی فرصت باقی ہے، سنبھلنا چاہو تو سنبھل سکتے ہو، نہ سنبھلے، اسی طرح اپنی بیماریوں کی پرورش کرتے رہے تو پھر تمھارے دل اسی طرح مسخ اور مختوم ہو جائیں گے کہ کوئی صیقل بھی ان پر کارگر نہ ہو سکے گا۔ مزید برآں یہ بات بھی یاد رکھو کہ معاملہ یہیں تک محدود نہیں ہے بلکہ آگے خدا کے حضور میں بھی حاضر ہونا ہے۔ اس دن کے احوال و نتائج کو بھی سوچ لو۔

وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَآصَّةً ۚ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ (۲۵)

ہر شخص پر معاشرے کی اصلاح کی بھی ذمہ داری ہے

یہ خطاب پورے معاشرے سے عموماً اور ان لوگوں سے خصوصاً ہے جن پر انفرادی اصلاح کا رجحان غالب تھا اور اس رجحان کے سبب سے انھیں اس امر سے کچھ زیادہ تعلق خاطر نہ تھا کہ دوسرے لوگ کیا کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو جھنجھوڑنے کے لیے فرمایا کہ اپنے معاشرے کے اندر ابھرنے والی خرابیوں سے بے تعلق نہ رہو بلکہ اپنے امکان اور اپنی صلاحیت کے حد تک اس کی اصلاح کی کوشش کرو اس لیے کہ معاشرے میں اگر کوئی خرابی جڑ پکڑ لے تو وہ بالتدریج ایک وبائے عام کی صورت اختیار کر لیتی ہے اور جب وبائے عام کی صورت اختیار کر لیتی ہے تو اس کے برے اثرات و نتائج انھی لوگوں کی حد تک محدود نہیں رہتے جو بالفعل ان برائیوں میں ملوث ہوتے ہیں بلکہ ان خرابیوں پر راضی یا خاموش رہنے والے بھی ان کی زد میں آجاتے ہیں اگرچہ وہ عملاً ان میں مبتلا نہ ہوں۔

اس حقیقت کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک کشتی کے مسافروں کی تمثیل سے سمجھایا ہے کہ اگر کچھ لوگ ایک کشتی میں سفر کریں، کچھ اس کے اوپر کے حصے میں، کچھ نیچے والے حصے میں، نیچے والے یہ محسوس کر کے کہ انھیں پانی کے لیے اوپر جانے کی زحمت اٹھانی پڑتی ہے، یہ فیصلہ کریں کہ ہم کیوں نہ کشتی کے نیچے کے حصے میں سوراخ کر لیں اور اوپر والے یہ خیال کر کے کہ وہ اپنے حصے میں سوراخ کر رہے ہیں، ہمیں اس سے کیا سروکار، اس پر خاموش رہیں تو نیچے والوں کے اس فعل کے نتیجہ میں جب کشتی ڈوبے گی تو اوپر والوں او

نیچے والوں دونوں کو لے کر ڈوبے گی۔

اس بنیاد پر اسلام نے ہر شخص پر دوسروں کو برائی سے روکتے رہنے کی ذمہ داری ڈالی ہے۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ تم میں سے جو شخص بھی کوئی برائی دیکھے، اگر ہاتھ سے اس کو روک سکتا ہو تو ہاتھ سے روکے، اگر ہاتھ سے نہ روک سکتا ہو تو زبان سے روکنے کی کوشش کرے۔ اگر اس کی بھی استطاعت نہ رکھتا ہو تو دل سے اس کو برا سمجھے۔ اس سے نیچے ایمان کا کوئی درجہ نہیں ہے۔

یہ آیت جس سیاق میں آئی ہے اگر اس سیاق پر نظر ڈالیے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ایک گروہ تو ان لوگوں کا ہے جو حق کو مانتے کا زبان سے تو مدعی ہے لیکن اس کے مطالبات پورے کرنے کا حوصلہ نہیں رکھتا۔ ان کو قرآن نے اس بات سے ڈرایا ہے کہ ایسے لوگ اگر اپنے رویے کی اصلاح نہیں کرتے تو خدا کا قانون ان کے اور ان کے دلوں کے درمیان حائل ہو جاتا ہے۔ دوسرا گروہ ان لوگوں کا ہے جو حق کو مانتے ہیں لیکن اس حق سے انھیں اتنا لگاؤ نہیں ہوتا کہ وہ اس کی خاطر دوسروں کی ناراضگی مول لینے کے لیے تیار رہوں، ان لوگوں کو اس بات سے ڈرایا کہ اگر معاشرے میں کوئی برائی پھیل گئی تو اس کے نتائج بد سے یہ لوگ بھی محفوظ نہ رہ سکیں گے۔ محفوظ صرف وہ لوگ رہیں گے جو اپنی صلاحیت کی حد تک اپنا حق نصیحت ادا کرتے رہیں گے۔ قطع نظر اس سے کہ کوئی ان کی بات سنتا ہے یا نہیں اور خوش ہوتا ہے یا ناخوش۔

'وَاعْلَمُوٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ' یہ پاداش عمل کے قانون کے بے لچک اور بے رو رعایت ہونے کی تعبیر ہے۔ مطلب یہ ہے کہ خدا کے قوانین جس طرح جسمانیات و مادیات میں بے لچک ہیں اسی طرح اخلاقیات میں بھی بے لچک ہیں۔ فاسد آب و ہوا میں سانس لینے والا جس طرح آب و ہوا کے فساد سے لازماً متاثر ہوتا ہے اگر وہ ضروری احتیاطیں نہ کرے، اسی طرح برے ماحول میں زندگی گزارنے والا اس کے برے عواقب کی زد میں آ جاتا ہے اگر وہ شرطیں وہ ملحوظ نہ رکھے جو اوپر مذکور ہوئیں۔ اس معاملے میں قانون الٰہی کسی کی رعایت اور کسی کی جانبداری نہیں کرتا۔

وَاذْكُرُوْٓا اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِي الْاَرْضِ تَخَافُوْنَ اَنْ يَّتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ فَاٰوٰىكُمْ وَاَيَّدَكُمْ بِنَصْرِهٖ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۲۶

ابتدائے اسلام میں مسلمانوں پر خدا کے انعامات

اطاعت اللہ اور اطاعت رسول کے جس مطالبہ سے یہ کلام چلا ہے اس کو مؤکد کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے یہ اپنے انعامات گنائے ہیں۔ مقصود یہ ہے کہ اللہ و رسول نے جس راہ کی تمھیں دعوت دی ہے اب تک تم نے دیکھا کہ اس راہ میں ہر قدم پر اس نے تمھیں سہارا دیا ہے۔ تم تھوڑے تھے، کمزور اور دبے ہوئے تھے، ڈرتے تھے کہ قریش تمھیں اچک نہ لیں تو خدا نے تمھیں مدینہ میں پناہ دی، بدر میں اپنی خاص نصرت سے تمھیں نوازا، تمھارے لیے پاکیزہ معاش و معیشت کی راہیں کھولیں۔ یہ سب باتیں مقتضی ہیں کہ تم خدا کے شکر گزار اور اس کے دین کے کارگزار بندے بنو۔ اس اندیشے میں مبتلا نہ ہو کہ

اس راہ پر چل کر تم کسی خطرے میں پھنس جاؤ گے۔ جس نے اب تک تمہارے ساتھ اتنا اچھا معاملہ کیا ہے، یہ گمان نہ کرو کہ وہ آئندہ تمہارے ساتھ کوئی برا معاملہ کرے گا۔

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰہَ وَالرَّسُوْلَ وَتَخُوْنُوْٓا اَمٰنٰتِکُمْ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۔ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اَمْوَالُکُمْ وَاَوْلَادُکُمْ فِتْنَۃٌ ۙ وَّاَنَّ اللّٰہَ عِنْدَہٗٓ اَجْرٌ عَظِیْمٌ (۲۷-۲۸)

ہر عہد ایک امانت ہے

یہ آیت ٹھیک ٹھیک آیت ۲۴ کے مقابل میں ہے۔ اس میں جس بات کا مطالبہ کیا گیا ہے اس کے ضد سے اس میں روکا گیا ہے اور 'لَعَلَّکُمْ تَشْکُرُوْنَ' میں جس شکر گزاری کا حق یاد دلایا گیا ہے اس کے منافی رویہ سے اس میں باز رہنے کی تاکید ہے۔ ہم دوسرے مقام میں یہ وضاحت کر چکے ہیں کہ شکر کی اصل حقیقت خدا کا حق پہچاننا، اس کا اعتراف کرنا اور خلوص کے ساتھ اس کو ادا کرنا ہے۔ اس کا بدیہی تقاضا یہ ہے کہ آدمی اللہ و رسول سے 'سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا' کا اقرار کر کے بے وفائی اور غداری نہ کرے بلکہ ہر حال میں اس عہد کو پورا کرے۔ ہر عہد ایک امانت ہوتا ہے اس وجہ سے اس کی خلاف ورزی 'خفیہ ہو یا علانیہ' خیانت ہے۔

لفظ امانت کا وسیع مفہوم

'وَتَخُوْنُوْٓا اَمٰنٰتِکُمْ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ' یہ اسی طرح کا اسلوب بیان ہے جو بقرہ ۴۲ 'وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَکْتُمُوا الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ' میں گزر چکا ہے۔ وہاں ہم بیان کر چکے ہیں کہ لائے نفی کا اعادہ نہ کرنا اس بات کا قرینہ ہے کہ حق اور باطل کو گڈمڈ کرنا اخفائے حق کو مستلزم ہے۔ اسی طرح یہاں ہر چند یہ جملہ 'لَا تَخُوْنُوا اللّٰہَ وَالرَّسُوْلَ' کے تحت ہی ہے لیکن صرف نہی کا اعادہ نہیں فرمایا ہے جس سے یہ بات نکلتی ہے کہ اللہ و رسول سے خیانت ہی ہے جو لوگوں کے لیے اپنی امانتوں اور ذمہ داریوں میں خیانت کے لیے راہ کھولتی ہے۔ لفظ 'امانت' پر ہم نساء آیت ۵۸ کے تحت تفصیل سے بحث کر آئے ہیں کہ قرآن میں یہ لفظ بہت وسیع معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ تمام حقوق اور ذمہ داریاں خواہ وہ کسی عہد و اقرار کے تحت عائد ہوتی ہوں یا حق اور ذمہ داری کے معروف فطری قانون کے تحت سمجھی اور مانی جاتی ہوں یا وہ صلاحیتیں اور نعمتیں ہوں جو انسان کو ودیعت ہوئی ہیں، سب اس لفظ کے مفہوم میں داخل ہیں۔ فرمایا کہ جانتے بوجھتے ان امانتوں میں کوئی خیانت نہ کرو۔ 'وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ' کا ٹکڑا یہاں جس سیاق میں ہے اس سے یہ بات نکلتی ہے کہ یہ لوگ، جن کی طرف اشارہ ہے جانتے بوجھتے یہ حرکت کر رہے تھے اور مقصود اس ٹکڑے کے لانے سے ان کی مذمت ہے لیکن بجائے خود یہ امر بھی ایک حقیقت ہے کہ شریعت میں کوئی فعل جرم اسی وقت بنتا ہے جب اس کا ارتکاب علم اور ارادے کے ساتھ کیا جائے۔

اصل بیماری

'وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اَمْوَالُکُمْ وَاَوْلَادُکُمْ فِتْنَۃٌ' یہ اصل بیماری کا پتہ دیا ہے کہ جو لوگ خدا اور رسول کی محبت و اطاعت میں کمزور ہیں وہ درحقیقت مال و اولاد کی محبت میں گرفتار ہیں۔ مال و اولاد کی محبت جب اس درجہ غالب آجائے کہ آدمی ان کے پیچھے خود اس کے حقوق و فرائض سے جی چرانے لگے

جس کے فضل سے مال و اولاد ملے ہیں تو پھر مال و اولاد فتنہ بن جاتے ہیں۔ خدا اور رسول سے بے وفائی ہو یا دوسروں کے حقوق میں خیانت، اگر اس کے اسباب کا سراغ لگایا جائے تو اس کی تہ میں انہی دونوں چیزوں کی حد سے بڑھی ہوئی محبت نکلے گی۔ اس اعتبار سے یہ نفاق کا سب سے بڑا دروازہ ہیں اور اسی پہلو سے ان کو فتنہ سے تعبیر فرمایا ہے۔ اس فتنہ سے اپنے آپ کو محفوظ رکھنے کا طریقہ یہ ہے کہ آدمی اس اجر عظیم کو یاد رکھے جو اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے لیے محفوظ کیا ہے جو مال یا اولاد کی محبت میں خدا اور رسول سے بے وفائی نہیں کرتے بلکہ جب ان کے سامنے کوئی ایسی آزمائش آتی ہے جس میں ایک طرف خدا اور رسول کی خوشنودی ہو، دوسری طرف، مال و اولاد کی محبت تو وہ ہمیشہ خدا اور رسول کی طرف جھکتے ہیں۔ فرمایا کہ ایسے باوفاؤں کے لیے اللہ کے ہاں بڑا اجر ہے۔

۶۔ آگے کا مضمون ——— آیات ۲۹-۴۰

آگے پہلے مسلمانوں کی حوصلہ افزائی فرمائی کہ اگر تم اللہ کے عہد و پیمان پر مضبوطی سے قائم رہے، مال و اولاد کی محبت میں پھنس کر تم نے کمزوری نہ دکھائی تو جلد وہ وقت آجائے گا کہ وہ تمہارے لیے فرقان نمایاں کرے گا اور وہ سارے حجابات چاک ہو جائیں گے جو آج حق کے پوری طرح نمایاں ہونے میں رکاوٹ بنے ہوئے ہیں۔

اس کے بعد نبی اس بہترین تدبیر کی طرف اشارہ فرمایا جو اس نے اپنے رسول کو کفار کی متفقہ سازش سے بچانے اور اس کے لیے ہجرت کی راہ کھولنے کے لیے اختیار فرمائی۔ یہ ہجرت غلبۂ اسلام کا دیباچہ اور حق و باطل کے درمیان فیصلہ کی تمہید ہوئی۔ اب تک کفار قرآن کے انذار کا مذاق اڑا رہے تھے۔ وہ کہتے تھے اگر یہ دعوت حق ہے تو اللہ ہم پر کوئی عذاب کیوں نہیں بھیج دیتا؟ لیکن اللہ نے ان پر عذاب نہیں بھیجا اس لیے کہ اللہ تعالیٰ اس وقت تک کسی قوم پر فیصلہ کن عذاب نہیں بھیجتا جب تک پیغمبر ان کے اندر موجود رہتا ہے لیکن اب جب کہ پیغمبر اور مومنین ہجرت کر چکے ہیں عذاب کے آنے میں کوئی رکاوٹ باقی نہیں رہی ہے۔

پھر کفار کے مستحق عذاب ہونے کے وجوہ بیان ہوئے ہیں۔ بیت اللہ کی تولیت اور دینداری کے بعض رسوم کے غرے میں وہ جو یہ گمان کیے بیٹھے تھے کہ وہ خدا کے دین کو تھامے ہوئے ہیں، فرمایا کہ ان کا یہ غرہ اب ختم ہو جانے کا وقت آگیا ہے۔ اللہ کے بندوں کو اللہ کے دین سے روکنے اور اس راہ کو شکست دینے کے لیے وہ جو زر پاشیاں کر رہے ہیں بیان کیا کہ عنقریب سرمایہ حسرت بنیں گی، وہ دنیا میں شکست کھائیں گے اور آخرت میں اللہ ان سب کو اکٹھا کر کے جہنم میں جھونک دے گا۔

آخر میں قریش کو دھمکی ہے کہ بہتر ہے کہ وہ اپنی روش بدلیں اور اس دعوت کو قبول کر لیں، ورنہ اب

رکھیں کہ ان کے سامنے بھی وہی انجام آنے والا ہے جو رسولوں کی تکذیب کرنے والی پچھلی قوموں کے سامنے آچکا ہے۔ ساتھ ہی مسلمانوں کو یہ ہدایت ہے کہ ان سے جنگ جاری رکھو تا آنکہ فتنہ کا قلع قمع ہو جائے اور اس سرزمین پر اللہ کے دین کے سوا کوئی اور دین باقی نہ رہے۔ اللہ تمہارا یار و مددگار ہے —— اس روشنی میں آیات کی تلاوت فرمائیے۔

آیات ۲۹-۴۰

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ تَتَّقُوا اللَّهَ يَجْعَلْ لَكُمْ فُرْقَانًا وَيُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۗ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ﴿٢٩﴾ وَإِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِيُثْبِتُوكَ أَوْ يَقْتُلُوكَ أَوْ يُخْرِجُوكَ ۚ وَيَمْكُرُونَ وَيَمْكُرُ اللَّهُ ۖ وَاللَّهُ خَيْرُ الْمَاكِرِينَ ﴿٣٠﴾ وَإِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا قَالُوا قَدْ سَمِعْنَا لَوْ نَشَاءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هَٰذَا ۙ إِنْ هَٰذَا إِلَّا أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ﴿٣١﴾ وَإِذْ قَالُوا اللَّهُمَّ إِنْ كَانَ هَٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَأَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِنَ السَّمَاءِ أَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ﴿٣٢﴾ وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنْتَ فِيهِمْ ۚ وَمَا كَانَ اللَّهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُونَ ﴿٣٣﴾ وَمَا لَهُمْ أَلَّا يُعَذِّبَهُمُ اللَّهُ وَهُمْ يَصُدُّونَ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَمَا كَانُوا أَوْلِيَاءَهُ ۚ إِنْ أَوْلِيَاؤُهُ إِلَّا الْمُتَّقُونَ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٣٤﴾ وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ إِلَّا مُكَاءً وَتَصْدِيَةً ۚ فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ ﴿٣٥﴾ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ لِيَصُدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ ۚ فَسَيُنْفِقُونَهَا ثُمَّ تَكُونُ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً ثُمَّ

يُغْلَبُوْنَ ۬ۙ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اِلٰى جَهَنَّمَ يُحْشَرُوْنَ ﴿۳۶﴾ لِيَمِيْزَ اللّٰهُ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ وَيَجْعَلَ الْخَبِيْثَ بَعْضَهٗ عَلٰى بَعْضٍ فَيَرْكُمَهٗ جَمِيْعًا فَيَجْعَلَهٗ فِيْ جَهَنَّمَ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۳۷﴾ قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اِنْ يَّنْتَهُوْا يُغْفَرْ لَهُمْ مَّا قَدْ سَلَفَ ۚ وَاِنْ يَّعُوْدُوْا فَقَدْ مَضَتْ سُنَّتُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۳۸﴾ وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ ۚ فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۳۹﴾ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ مَوْلٰىكُمْ ؕ نِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ ﴿۴۰﴾

ع ۹ ۱۸

ترجمہ آیات ۲۹-۴۰

اے ایمان لانے والو، اگر تم اللہ سے ڈرتے رہے تو وہ تمھارے لیے فرقان نمایاں کر دے گا اور تم سے تمھارے گناہ جھاڑ دے گا اور تمھاری مغفرت فرمائے گا اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔ خیال کرو جبکہ کفار تمھارے باب میں سازش کر رہے تھے کہ تم کو قید کر دیں یا قتل کر دیں یا جلاوطن کر دیں۔ وہ سازش کر رہے تھے اور اللہ بھی تدبیر فرما رہا تھا اللہ بہترین تدبیر فرمانے والا ہے۔ ۲۹-۳۰

اور جب ان کو ہماری آیتیں پڑھ کر سنائی جاتیں، کہتے، بس سن لیا۔ اگر ہم چاہیں ہم بھی ایسا ہی کلام پیش کر دیں۔ یہ تو بس اگلوں کے فسانے ہیں اور یاد کرو جب انھوں نے کہا کہ اے اللہ اگر یہی حق ہے تیرے پاس سے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا دے یا ہم پر کوئی اور دردناک عذاب لا۔ اور اللہ ان کو عذاب دینے کا روادار نہ تھا جب کہ تم ان میں موجود تھے اور اللہ ان کو عذاب دینے کا روادار نہیں ہو سکتا جب کہ وہ مغفرت کے طلب گار ہوں۔ اور ان کو کیوں نہ عذاب دے گا جب کہ وہ مسجد حرام سے

روکتے ہیں درآنحالیکہ وہ اس کے متولی نہیں، اس کے متولی تو صرف خدا سے ڈرنے والے ہو سکتے ہیں لیکن ان میں سے اکثر اس حقیقت سے واقف نہیں اور بیت اللہ کے سامنے ان کی نماز سیٹی بجانے اور تالی پیٹنے کے سوا کچھ نہیں۔ تو اب چکھو عذاب اپنے کفر کی پاداش میں۔ ۳۱-۳۵

جن لوگوں نے کفر اختیار کیا ہے وہ اپنے مال اللہ کی راہ سے روکنے کے لیے خرچ کر رہے ہیں، وہ اس کو خرچ کریں گے، پھر یہ ان کے لیے سرمایۂ حسرت بنے گا، پھر وہ مغلوب ہوں گے اور یہ کافر جمع کر کے جہنم کی طرف ہنکائے جائیں گے تاکہ اللہ خبیث کو طیب سے چھانٹ کر الگ کرے اور خبیث کو ایک دوسرے پر ڈھیر کرے، پھر اس کو جہنم میں جھونک دے یہی لوگ نامراد ہونے والے ہیں۔ ۳۶-۳۷

ان کفر کرنے والوں سے کہہ دو کہ اگر یہ باز آجائیں تو جو کچھ ہو چکا ہے وہ معاف کر دیا جائے گا اور اگر وہ پھر یہی کریں گے تو اگلوں کے باب میں سنت الٰہی گزر چکی ہے اور ان سے جنگ کرو تاآنکہ فتنہ کا قلع قمع ہو جائے اور سارا دین اللہ کا ہو جائے۔ پس اگر وہ باز آجائیں تو اللہ جو کچھ وہ کر رہے ہیں اس کو دیکھ رہا ہے۔ اور اگر انہوں نے اعراض کیا تو جان رکھو کہ اللہ تمہارا مولیٰ و مرجع ہے۔ کیا ہی خوب مولیٰ اور کیا ہی اچھا مددگار!! ۳۸-۴۰

۷- الفاظ کی تحقیق اور آیات کی وضاحت

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ تَتَّقُوا اللَّهَ يَجْعَلْ لَكُمْ فُرْقَانًا وَيُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ (۲۹)

'فرقان' کا مفہوم

'فُرْقَان' ہر اس چیز کو کہتے ہیں جو حق و باطل کے درمیان امتیاز کر دے۔ یہ امتیاز پیدا کرنے والی شے داخلی بھی ہو سکتی ہے، خارجی بھی، علمی اور عقلی بھی ہو سکتی ہے، عملی اور واقعاتی بھی۔ قرآن نے دلائل

براہین کو 'فرقان' کہا ہے جیسا کہ بقرہ آیت ۱۸۵ میں ہے، اس لیے کہ ان سے حق و باطل میں امتیاز ہوتا ہے۔ خود قرآن بلکہ اصل تورات کے لیے بھی ایک سے زیادہ مقامات میں یہ لفظ استعمال ہوا ہے اس لیے کہ اللہ نے یہ کتابیں حق و باطل کے درمیان امتیاز کے لیے اتاریں۔ اسی طرح اس سورہ کی آیت ۴۱ میں غزوۂ بدر کو فرقان سے تعبیر فرمایا ہے، اس لیے کہ اس جنگ نے واقعات کی دنیا میں یہ دکھا دیا کہ کون حق پر ہے اور کون باطل پر۔

مسلمانوں سے غلبہ کا وعدہ

اس آیت میں مسلمانوں سے یہ وعدہ کیا جا رہا ہے کہ اگر تم تقویٰ پر مضبوطی سے جمے رہے، یعنی اللہ و رسول کے ساتھ بدعہدی و بے وفائی کے مرتکب نہ ہوئے تو اللہ جلد وہ وقت لائے گا کہ مطلع پر جو غبار نظر آ رہا ہے یہ سب چھٹ جائے گا اور حق اس طرح غالب ہو کر چمکے گا کہ دشمنوں کی نگاہیں خیرہ ہو کر رہ جائیں گی۔ قرینہ بتا رہا ہے کہ یہاں یہ لفظ اسلام اور مسلمانوں کے کامل غلبہ کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔ اگرچہ ایک فرقان کا ظہور معرکۂ بدر میں بھی ہو چکا تھا جس کو مسلمان دیکھ چکے تھے تاہم ابھی باطل دہنے بائیں ہر طرف سے مسلمانوں کو گھیرے ہوئے تھا اس وجہ سے ایک گروہ تذبذب کی حالت میں مبتلا تھا اور یہی تذبذب اس کو ان کمزوریوں میں مبتلا کر دیتا تھا جو اوپر زیر بحث آئی ہیں۔ اس طرح کے مذبذب لوگوں کو حق پر جمانے کے لیے فرمایا کہ وہ وقت دور نہیں ہے جب باطل کی یہ ساری گھٹائیں چھٹ جائیں گی اور آفتاب حق اپنی پوری تابانی سے تمہارے سامنے آ جائے گا۔ بس یہ شرط ہے کہ تم اللہ و رسول کی اطاعت اور تقویٰ پر جمے رہو۔

وَيُكَفِّرْ عَنكُمْ سَيِّـَٔاتِكُمْ الایۃ یہاں 'سیّات' سے مراد وہ چھوٹی موٹی غلطیاں اور کوتاہیاں ہیں جو بشر کی بشریت کا لازمہ ہیں۔ فرمایا کہ اگر بڑے جرموں سے تم بچتے رہے تو اللہ تعالیٰ فروگزاشتوں اور کوتاہیوں پر تمہیں نہیں پکڑے گا، وہ بڑے فضل والا ہے۔ کبائر سے بچنے والوں کے صغائر معاف ہو جاتے ہیں۔

وَإِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِيُثْبِتُوكَ أَوْ يَقْتُلُوكَ أَوْ يُخْرِجُوكَ وَيَمْكُرُونَ وَيَمْكُرُ اللَّهُ وَاللَّهُ خَيْرُ الْمَاكِرِينَ (۳۰)

'اثبات' کا اصل لغوی مفہوم پابند کر دینا، روک دینا ہے، جس میں قید کر دینا بھی شامل ہے۔

قریش کی سازشوں کی طرف اشارہ

یہ دار الندوہ کی اس سازش کی طرف اشارہ ہے جو قریش کے لیڈروں نے آپ کی دعوت حق کو یک قلم ختم کر دینے کے لیے کی۔ اس کے لیے مختلف لیڈروں کی طرف سے مختلف تجویزیں پیش ہوئیں۔ تاریخ و سیرت کی کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ غور و بحث کے بعد قتل کی تجویز پر اتفاق ہوا اور قتل کی یہ تدبیر سوچی گئی کہ قریش کے تمام بڑے خاندان اس میں شریک ہوں تاکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان کے لوگ قصاص کا مطالبہ کرنے کی ہمت نہ کر سکیں۔

'خیر الماکرین' کا مفہوم

وَيَمْكُرُونَ وَيَمْكُرُ اللَّهُ وَاللَّهُ خَيْرُ الْمَاكِرِينَ ' لفظ 'مکر' پر آل عمران آیت ۵۴ کے تحت

بحث گزر چکی ہے۔ وہاں ہم نے یہ بھی واضح کیا ہے کہ اللہ جل شانہ کی طرف جب اس کی نسبت ہوتی ہے تو اس کا مفہوم کیا ہوتا ہے۔ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ میں ایک پہلو تو یہ ہے کہ خدا کی تدبیر دوسروں کی سازشوں پر ہمیشہ غالب رہتی ہے۔ دوسرا یہ ہے کہ ظاہراً اس تدبیر کو دشمن اپنی ہی فتح مندی کیوں نہ تصور کرے لیکن بالآخر وہ حق کی فتح مندی کے نہایت وسیع دروازے کھول دیتی ہے۔ اس کی بہترین مثال خود یہ واقعۂ ہجرت ہے۔ قریش نے آنحضرتؐ کی ہجرت کے بعد اطمینان کا سانس لیا کہ چلو پہلو کا کانٹا نکل گیا لیکن جلد ہی حالات نے ثابت کر دیا کہ کانٹا نہیں نکلا بلکہ ان کے جسد قومی کی روح نکل گئی۔ اس کے بعد اسلام کو نشوونما کے لیے آزاد فضا مل گئی اور قریش مکہ میں، جیسا کہ تفصیل آگے آرہی ہے، اپنی قضائے مبرم کے انتظار کے لیے رہ گئے۔

وعدۂ فرقان کی تاکید مزید

یہاں اس واقعہ کو یاد دلانے سے مقصود اسی وعدۂ فرقان کو مؤکد کرنا ہے جس کا ذکر اوپر والی آیت میں آیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر یہ دیکھنا چاہو کہ خدا اپنی تدبیر و کارسازی سے کس طرح ناموافق حالات کو موافق اور مخالف ہواؤں کو سازگار بنا دیتا ہے تو اس کے لیے کہیں دور جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ تمہارے پیغمبرؐ کی زندگی خود اس کی سب سے بڑی شہادت ہے۔ ایک وقت تھا جب اسلام کی قسمت صرف پیغمبرؐ کے وجود اقدس اور چند بے یار و مددگار نفوس کے ساتھ وابستہ تھی۔ قریش نے فیصلہ کیا کہ پیغمبرؐ کو قتل کر دیں کہ سارا قصہ ہی تمام ہو جائے۔ اس کے لیے سب نے متفق ہو کر سازش کی لیکن اللہ نے ایسی تدبیر فرمائی کہ پیغمبرؐ اپنے خونی دشمنوں کی آنکھوں میں خاک جھونک کر نکل آئے اور کوئی ان کا بال بیکا نہ کرسکا۔ پھر صرف یہی نہیں ہوا کہ پیغمبرؐ نکل آئے بلکہ واقعات نے ثابت کر دیا کہ سورج گہن سے نکل آیا۔ قریش سمجھے کہ جب پیغمبرؐ اپنی قوم سے جلاوطن ہو کر کسی غیر قوم میں چلے جائیں گے تو ان کی دعوت ایک اجنبی ماحول میں خود بخود مرجائے گی لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنی کارسازی سے دکھا دیا کہ اسلام کے پودے کی نشوونما کے لیے سب سے زیادہ زرخیز اور مہرپرور سرزمین یثرب ہی کی سرزمین تھی جس کی طرف کفار نے خود اسلام کو دھکیل کر بھیجا۔ خدا اپنی اسکیمیں اسی طرح بروئے کار لاتا ہے۔ دشمن سمجھتا ہے کہ بازی اس نے جیتی، لیکن حقیقت میں داؤں خدا کا کامیاب ہوتا ہے۔ وہ حق کے دشمنوں ہی کے ہاتھوں جب چاہتا ہے وہ کام کرا دیتا ہے جس میں حق کی فتح مندی اور خود دشمن کی موت مضمر ہوتی ہے تو موجودہ نامساعد حالات سے ہراساں نہ ہو۔ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ خدا پر بھروسہ رکھو۔ انہی تاریکیوں کے پردے سے بہت جلد تیرِ فرقان برآمد ہونے والا ہے۔

خطاب کی ایک بلاغت

اس آیت کا خطاب، جیسا کہ وَاِذْ يَمْكُرُ بِكَ سے واضح ہے اگرچہ آنحضرتؐ سے ہے لیکن یہ اپنے موقع و محل اور اپنے مدعا کے اعتبار سے دو پہلو رکھتی ہے۔ ایک پہلو سے یہ اوپر کے مضمون سے جڑتی ہے، دوسرے پہلو سے آگے آنے والے مضمون کی تمہید ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو

خطاب کر کے یہ بات سمجھائی جا رہی ہے کہ اب تک قریش جو عذاب کا مطالبہ کر رہے تھے اور ہم طرح دیے جا رہے تھے تو اس کی وجہ یہ نہیں تھی کہ ہم بے بس تھے بلکہ یہ تھی کہ تم ان کے اندر موجود تھے لیکن اب جب کہ تم ان کے اندر سے نکل گئے تو اب کون سی چیز ہے جو ان کو ہمارے تازیانۂ عذاب سے بچا سکتی ہے؟ اب تو امان کی سپر سے ... وں نے خود اپنے کو محروم کر لیا۔ چونکہ اللہ تعالیٰ نے یہ پسند فرمایا کہ اس نازک موقع پر وہ اپنے پیغمبر پر یہ واضح فرما دے کہ اس کا مرتبہ و مقام اللہ کی نظروں میں کیا ہے، اس وجہ سے تقاضائے بلاغت یہ ہوا کہ یہاں اسی کو براہِ راست مخاطب کر کے یہ بات کہہ دی جائے کہ غم نہ کرو کہ انھوں نے تم کو نکال دیا ہے، یہ تو تمھارے ہی صدقے میں جی رہے تھے۔ اب یہ دیکھ لیں گے کہ ہم ان کی کیسی مرمت کرتے ہیں۔ ساتھ ہی اس سے اس فرقان کے ظہور کی بشارت بھی امت کو دے دی گئی جس کی طرف اوپر اشارہ ہوا۔

وَإِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا قَالُوا قَدْ سَمِعْنَا لَوْ نَشَاءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هَٰذَا ۙ إِنْ هَٰذَا إِلَّا أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ﴿٣١﴾ وَإِذْ قَالُوا اللَّهُمَّ إِنْ كَانَ هَٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَأَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِنَ السَّمَاءِ أَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ أَلِيمٍ (۳۱-۳۲)

قریش کے مطالبہ کا واضح جواب

یہ مضمون انعام آیت ۹۰ میں بھی گزر چکا ہے۔ یہاں یہ آیتیں یہ واضح کرنے کے لیے آئی ہیں کہ قریش کی طرف سے برابر خدا کو کس کس طرح کے چیلنج پر چیلنج دیے جا رہے تھے اور پیغمبر کو زچ کرنے کے لیے کیا کیا شیخیاں بگھاری جا رہی تھیں لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے چیلنج کے جواب میں ان پر عذاب نہیں بھیجا جس سے ان کی جسارت بڑھتی گئی اور وہ اپنے باطل کو حق باور کرانے کے لیے اور بھی زیادہ دلیر ہو گئے۔ وہ اپنی رعونت کے باعث یہ نہ سمجھ سکے کہ ان کے اس پیہم مطالبہ کے باوجود کہ اِنْ كَانَ هَٰذَا هُوَ الْحَقَّ فَأَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِنَ السَّمَاءِ، ہم نے اب تک ان کو کیوں ڈھیل دی؟ آج وہ سوال کا واضح جواب سن لیں۔

وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنْتَ فِيهِمْ ۚ وَمَا كَانَ اللَّهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُونَ (۳۳)

عذابِ الٰہی کے باب میں سنتِ الٰہی

یہ جواب ہے اس سوال کا جو اوپر مذکور ہوا اور چونکہ مقصود اس موقع پر خاص طور پر پیغمبر کی دل نوازی ہے اس وجہ سے خطاب پیغمبر سے ہوا۔ فرمایا کہ اللہ اس بات کا روادار نہیں ہو سکتا تھا کہ ان پر عذاب نازل فرمائے درآنحالیکہ تم ان کے اندر موجود ہو۔ یہ اس سنتِ الٰہی کی طرف اشارہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے کسی نبی کی قوم پر عذاب بھیجنے کے معاملے میں مقرر فرمائی ہے۔ وہ سنت یہ ہے کہ نبی جب تک اپنی قوم کے اندر موجود رہتا ہے وہ قوم کے اندر بمنزلہ دل کے ہوتا ہے۔ وہ قوم کے لیے اپنے رب سے مغفرت بھی مانگتا رہتا ہے اور قوم کو استغفار کی دعوت بھی دیتا رہتا ہے۔ قوم کے اندر اس کا وجود اس بات کا شاہد ہے کہ ابھی قوم میں زندگی کی رمق باقی ہے۔ اس کی دعوت سے ان لوگوں کو زندگی ملتی ہے

جن کے اندر حیاتِ ایمانی قبول کرنے کی صلاحیت موجود ہوتی ہے اور ان کا استغفار بھی قوم کے لیے سپر بن جاتا ہے۔ قوم کے اشرار، خواہ کتنی ہی شرارتیں اور خدا اور رسول کو کتنا ہی چیلنج کریں، لیکن اللہ تعالیٰ ان سے درگزر فرماتا ہے اور اگر ان کو کسی آفت میں مبتلا کرتا بھی ہے تو اس کی نوعیت ایک تنبیہ کی ہوتی ہے نہ کہ فیصلہ کن عذاب کی۔ لیکن جب قوم اپنی سرکشی میں اس حد تک بڑھ جاتی ہے کہ نبی کے قتل کے منصوبے بنانے لگتی ہے اور اپنے اندر کے صالحین پر زندگی دشوار کر دیتی ہے تو اللہ تعالیٰ نبی اور اس کے ساتھیوں کو ہجرت کا حکم دے دیتا ہے جس کے بعد قوم اس امان سے محروم ہو جاتی ہے جو نبی اور صالحین کی برکت سے اسے حاصل رہی ہوتی ہے۔ پھر دو صورتوں میں سے کوئی ایک صورت لازماً پیش آکے رہتی ہے۔ اگر نبی کے اوپر ایمان لانے والے صرف گنتی کے چند نفوس ہی ہوتے ہیں تو اس کی اور اس کے ساتھیوں کی ہجرت کے بعد قوم پر عذابِ الٰہی آجاتا ہے جو خدا کی زمین کو اس [illegible] کے وجود سے پاک کر دیتا ہے اس لیے کہ باطل محض کی پرورش اس کائنات کی فطرت اور فاطرِ کائنات کی حکمت کے خلاف ہے اور اگر نبی پر ایمان لانے والوں کی تعداد بھی معتد بہ ہوتی ہے، جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معاملے میں ہوا تو اہلِ حق اور اہلِ باطل میں کشمکش شروع ہوتی ہے اور باطل حق سے ٹکرا ٹکرا کر بالآخر ایک دن پاش پاش ہو کر نابود ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ فرقانِ حق کو پوری طرح نمایاں کر دیتا ہے۔ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا۔ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ یعنی ہر چند نبی کی ہجرت کے بعد اب ان سے امان اٹھ چکی ہے۔ اب کوئی چیز ان کو عذاب سے بچانے والی نہیں رہ گئی ہے لیکن وہ استغفار کرنے والے بنیں تو خدا انھیں عذاب سے بچائے رکھے گا۔ گویا اوپر والے ٹکڑے میں جو شدید قسم کی تہدید ہے اس ٹکڑے نے اس کو ذرا نرم کر دیا ہے کہ اب بھی ان کے لیے موقع ہے کہ چاہیں تو اپنی روش بدلیں، خدا سے معافی مانگیں اور اپنے آپ کو اس کی پکڑ سے بچا لیں۔ یوں سمجھیے کہ تہدید کے بعد یہ قریش کو دعوتِ استغفار ہے۔ آگے یہی مضمون اس طرح بیان ہوا ہے۔ قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ يَّنْتَهُوْا يُغْفَرْ لَهُمْ مَّا قَدْ سَلَفَ (ان کفر کرنے والوں سے کہہ دو کہ اگر وہ باز آ گئے تو جو کچھ ہو چکا ہے اس کو معاف کر دیا جائے گا)۔

وَمَا لَهُمْ اَلَّا يُعَذِّبَهُمُ اللّٰهُ وَهُمْ يَصُدُّوْنَ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَمَا كَانُوْٓا اَوْلِيَآءَهٗ ۚ اِنْ اَوْلِيَآؤُهٗٓ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ اِلَّا مُكَآءً وَّتَصْدِيَةً ۚ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ (۳۴-۳۵)

قریش کی غلط فہمی

وَمَا لَهُمْ اَلَّا يُعَذِّبَهُمُ اللّٰهُ۔ اردو میں اس اسلوب کا مدعا یہ ہوگا کہ آخر ان کو ایسے کیا سرخاب کے پر لگے ہوئے ہیں کہ خدا ان کو عذاب نہیں دے گا! یہ قریش کے اس غرورِ باطل پر ضرب لگائی گئی ہے جو خانہ کعبہ کی تولیت اور اس سے متعلق بعض رسوم و خدمات کی ادائیگی کی بنا پر ان کو تھا۔ قوموں کی یہ عجیب